رسالہ الہادی رجسٹر نمبر ایل ۱۷۷۵

قال اللہ تعالیٰ وقرآنا فرقناہ لتقرأہ علی الناس علی مکث ونزلناہ تنزیلا

چوں آیت موصوفہ دال ست بر نافعیت تعلیم تدریجی برائے
عامۂ ناس حاضر باشد یا بادی پس نیز بر ضرورت تعلیم علوم قرآنیہ یعنی دینیہ بتدریج مشتمل ست
بر مقاصد مبادی پس اتباعاً للنص المذکور صحیفہ شہریہ کہ متدرج بتدریج شہور

مسمیٰ بہ

الہادی

جلد ۶ | بابت ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۹ھ | نمبر ۱۱

کہ جامع ست انواع علوم دینیہ را برائے ہر طالب ہادی مذکر ست در ہر مجلس و نادی
و مسکن ست برائے ہر جائع و صادی بصورت ترجمۂ رسالۃ الانوار المحمدی و تسہیل المواعظ
و حل انتخابات کلید مثنوی و تشرف و تفسیر حل القرآن و امثال عبرو سیرۃ الصدیق کہ اکثراں مستفاد ست
از درگاہ ارشادی یعنی خانقاہ اشرفی امدادی باہتمام ادارہ محمد عثمان عفی عنہ رہبر راہ اسلامی
در محبوب المطابع دہلی مطبوع گردید

از کتب خانہ اشرفیہ دریبہ کلاں دہلی بزندگانی نور بر صاحب رسیگردد

فہرست مضامین

رسالہ الہادی بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ ہجری نبوی صلعم
جو بہ برکت دعا حکیم الامۃ محی السنۃ حضرت مولٰنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ العالی
کتب خانہ اشرفیہ دریبہ کلاں دہلی سے شائع ہوتا ہے

تفسیر حل القرآن

(از مولانا مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی)

یہ تفسیر آجکل کی ضروریات کے لحاظ سے نہایت کارآمد اور دلچسپ ہے جسکی خصوصیات یہ ہیں (۱) ترجمہ سلیس و شگفتہ ہے جسمیں لغت اور محاورہ دونوں کی کافی رعایت ہے زبان بازاری و مبتذل نہ محض کتابی و مغلق (۲) تفسیر نہ اتنی مختصر کہ مقصود میں مخل ہو نہ ایسی طویل کہ ناظرین کے لئے اکتا دینے والی ہو (۳) تفسیر کی تقریر ایسے انداز سے کی گئی ہے کہ اس سے اجزاء قرآنیہ میں نہایت لطیف ارتباط بھی ظاہر ہوگیا ہے (۴) بعض جگہ حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت تھانوی مدظلہ کے حواشی ملیں گے جنمیں بعض حواشی سے حضرت دام ظلہ کا جوش وجد ظاہر ہوگا جو غایت استحسان سے ناشی ہوا (۵) بعض فرق باطلہ کے تمسکات کا مواقع حاجت میں جواب بھی دیا گیا ہے اور جواب بھی بہت دلپذیر۔ یہ مختصر نمونہ ہے خصوصیات کا باقی مطالعہ سے جو خصوصیات مشاہد ہونگی وہ ان کے علاوہ ہیں اسکی پہلی جلد یعنی سورہ بقر کی تفسیر کتابی صورت میں شائع ہوئی ہے جسکی قیمت (عمر) ہے۔ اور آل عمران سے الہادی میں شروع کردی ہے جو ہدیہ ناظرین ہے اگر کسی صاحب کو سلسلہ کی ضرورت ہو تو سورہ بقر طلب فرماویں۔

کرنے والے ہیں اور (نیک کاموں میں) مال خرچ کرنے والے ہیں۔ اور تڑکوں میں گناہوں کی معافی چاہتے ہیں (اسجگہ مومنین سے نعمتوں کا وعدہ فرمایا جس سے مقصود کفار کو ایمان کی ترغیب دینا تھا۔ اب توحید کی تعلیم فرماتے ہیں جو کہ اصل ایمان ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ) خدا گواہی دیتا ہے کہ کوئی قابل پرستش نہیں ہے بجز اس کے اور فرشتے اور اہل علم بھی (گواہی دیتے ہیں۔ کہ وہ تنہا معبود ہے) اس شان سے کہ وہ انصاف پر قائم ہے (اور جب خدا اور فرشتے اور اہل علم سب گواہ ہیں اور انکی گواہی یقیناً صحیح ہے۔ تو یہ ایک حقیقت ثابتہ اور امر واقعی ہے کہ) کوئی قابل پرستش نہیں بجز اس غالب اور حکمت والے کے (اور جو لوگ کسی اور کو اسمیں شریک کرتے ہیں۔ خواہ عیسیٰ ہوں۔ یا کوئی اور وہ بلاشبہ غلطی پر ہیں اور اسی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ) خدا کے نزدیک (مقبول) دین اسلام ہی ہے (کیونکہ توحید خالص اسی دین میں ہے اور کسی دین میں نہیں ہے۔ اور یہ بات خود اہل کتاب بھی جانتے ہیں۔ اور ان کا اختلاف جہل سے نہیں بلکہ وہ جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں کیونکہ) ان اہل کتاب نے اس میں اختلاف ان کے پاس (اس کا) علم آجانے کے بعد ہی کیا ہے اور محض آپس کی مخالفت سے اور (یہ واضح ہو کہ) جو لوگ خدا کی آیتوں کو نہیں مانیں گے (جیسے یہ اہل کتاب ان کو بہت جلد سزا ملے گی کیونکہ حق تعالیٰ بہت جلد (بندوں کا) حساب لینے والے ہیں (یہ باتیں ایسی ہیں کہ ان کے بعد کسیکو منازعت کی گنجایش نہیں) پس اگر اب بھی یہ (کفار لوگ جیسے نصاریٰ وغیرہ) تم سے حجت کریں (اور اپنی باطل پرستی پر جمے رہیں) تو آپ ان سے کہدیجئے۔ کہ میں نے تو اپنے کو حق تعالیٰ کے حوالہ کر دیا ہے۔ اور انہوں نے بھی جو کہ میرے متبع ہیں اور (اس کے) بعد جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے۔ ان سے بھی اور ناخواندہ لوگوں (مشرکوں) سے بھی کہدیجئے۔ کہ کیا (میرے اور میرے متبعین کے ساتھ) تم بھی اطاعت قبول کرتے ہو۔ اب اگر وہ بھی اطاعت قبول کرلیں تو (تمہاری طرح) وہ بھی ہدایت یافتہ ہو گئے اور اگر وہ اس سے پیٹھ پھیریں (اور اطاعت سے انکار کریں) تو (آپ کا کچھ نقصان نہیں) کیونکہ آپ پر صرف پیغام پہونچا دینا تھا (سو آپ کر چکے) اور اللہ تعالیٰ بندوں (کے حال) سے واقف ہیں (اسلئے وہ ان کی شرارت کو جانتے ہیں۔ اور انکو

۹

سزادیں گے (اچھا)-

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ
النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ
یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْھُمْ
بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ
اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ
وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَی
الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ
یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ
ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝
ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ
۱۰ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَّغَرَّھُمْ فِیْ دِیْنِھِمْ
مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۝ فَکَیْفَ اِذَا
جَمَعْنٰھُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ وَوُفِّیَتْ
کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝
قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ
مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ
وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ
قَدِیْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَتُوْلِجُ النَّھَارَ
فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ
وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ
مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ لَا یَتَّخِذِ
الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ

جو لوگ خدا کی آیتوں کو نہیں مانتے اور انبیا
کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ اور انکو بھی قتل کرتے
ہیں جو ان کو اچھی بات کا حکم کریں۔ (جیسا کہ
آجکل کے یہود آپ کے قتل کرنے میں دریغ نہیں
کرتے۔ گو آپ ہماری تائید سے محفوظ ہیں
اور صحابہ کو قتل کرتے ہی ہیں۔ اور ان سے
پہلے ان کے سلف ایسا کرتے تھے) آپ
انکو سخت تکلیف اور عذاب کی خوشخبری سنا
دیجئے (کیونکہ) یہ وہ لوگ ہیں جن کے
اعمال حسنہ دنیا و آخرت میں بیکار ہو چکے
ہیں۔ (اور صرف گناہ رہ گئے ہیں جنکی
اون کو سزا ملے گی)۔ اور ان کا کوئی مددگار
نہوگا۔ (جو انکو خدا کے عذاب سے چھوڑا دے)
کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب
کا ایک (کافی) حصہ دیا گیا تھا (جس کا مقتضے
یہ تھا کہ وہ اس پر عمل کرتے کہ ان کا کیا رونا
ہے۔ سو ان کی حالت یہ ہے کہ) ان کو
اسی کتاب اللہ کی طرف اسی غرض سے
بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان صحیح
فیصلہ کرے۔ پھر بھی وہ منہ موڑ کر چل دیتے
ہیں (اور خود اپنی کتاب کے فیصلہ کو بھی
نہیں مانتے۔ اب اس ہٹ دھرمی اور ناانصافی

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ
مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ
تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ
وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا
مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ
اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ يَوْمَ تَجِدُ
كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ
وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْۗءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ
بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ
اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

کی وجہ سنو) اس کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ
کہتے ہیں کہ بجز چند روز کے آگ ہمکو چھووے
گی بھی نہیں (جلانا تو درکنار۔ اور ان چند
روز کی مقدار وہ صرف چالیس روز بیان
کرتے ہیں۔ پس جبکہ ان کو دوزخ کیطرف
سے اطمینان ہے تو انہیں نیک کاموں کی
ضرورت کیا ہے۔ اور حق طلبی سے غرض
کیا۔ مگر یہ ان کی ایک من گھڑت بات ہے)
اور اسی من گھڑت خیال نے ان کو ان کے
دین کے معاملہ میں دھوکے میں ڈال رکھا
ہے۔ (اور وہ اسی غلط خیال کی بنا پر دین
حق کو چھوڑ کر۔ ایک باطل مذہب پر قناعت کئے ہوئے ہیں) پس (اگر وہ اسی خیال
باطل پر جمے رہے اور دین حق کو چھوڑے رکھا تو نہ پوچھو کہ اسوقت ان کا) کیا (برا)
حال ہوگا۔ جب کہ ہم انکو اس دن کے لیے جمع کریں گے جس (کے آنے) میں کچھ بھی تردد نہیں۔
اور ہر شخص کو اوسکی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ اور ان پر (ذرا) بھی ظلم نہ کیا جاوے گا
کہ اون کی نیکیوں کو نظر انداز کر دیا جاوے۔ یا تھوڑا بدلہ دیا جاوے۔ یا کسی کی برائیوں میں
اضافہ کر دیا جاوے۔ یا مناسب سے زیادہ سزا دی جاوے۔ پس جبکہ ان کفار کی ضد اور
ہٹ دھرمی کی یہ حالت ہے کہ ان پر نصیحت اثر نہیں کرتی تو اب آپ خدا سے سلطنت
مانگئے۔ کیونکہ جو کام ہزار انبیاء کی نصیحت سے نہیں نکلتا۔ وہ سلطنت اور حکومت سے نہایت
آسانی سے نکل جاتا ہے گو حکومت کی طرف سے کوئی جبر و تعدی بھی نہ ہو۔ (اور) کہئے
اے اللہ اے تمام ملک کے مالک (آپ ہمیں حکومت دیجئے۔ اور گو ہم کمزور اور تعداد میں
کم ہیں۔ مگر باوجود اس کے بھی آپ اسپر قادر ہیں۔ کیونکہ) آپ (کی شان یہ ہے۔ کہ
جسے چاہتے ہیں اسے سلطنت دیتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں حکومت چھین

لیتے ہیں۔ اور جسے چاہتے ہیں عزت دیتے ہیں۔ اور جسے چاہتے ہیں۔ ذلیل کرتے ہیں۔ بھلائی آپ ہی کے اختیار میں ہے (اور آپ کی قدرت انہی چیزوں میں منحصر نہیں ہے بلکہ) آپ ہر چیز پر قادر ہیں (چنانچہ) آپ رات (کے ایک حصہ) کو دن میں داخل کرتے (اور اس طرح رات کو گھٹاتے اور دن کو بڑھاتے) ہیں اور دن (کے ایک حصہ) کو رات میں داخل کرتے (اور اس طرح دن کو گھٹاتے اور رات کو بڑھاتے) ہیں اور جاندار (یعنی جانوروں وغیرہ) کو بے جان (یعنی انڈے وغیرہ) سے نکالتے اور بے جان (یعنی انڈے وغیرہ) سے جاندار (یعنی جانوروں وغیرہ) کو نکالتے ہیں اور جسکو چاہتے ہیں ان گنت روزی دیتے ہیں (یہ نمونے ہیں آپ کی قدرت کاملہ کے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ پس آپ ہم کو حکومت دیجئے۔ اس جگہ چند مفید۔ اور ضروری باتوں پر تنبیہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جن کی اس زمانہ میں نہایت سخت ضرورت ہے۔ اول یہ کہ اسلام میں سلطنت ضرور مطلوب ہے۔ جیساکہ اس دعا سے مفہوم ہوتا ہے۔ مگر اس کا مقصد صرف اسلام کو قوت پہونچانا اور اسکی حفاظت کرنا ہے۔ نہ کہ تحصیل جاہ و مال۔ اور نہ دوسری قوموں پر رشک و حسد وغیرہ۔ کیونکہ یہ امور خود منہی عنہ اور ناجائز ہیں پس ان کے لئے سلطنت کیونکر مطلوب شرعی ہو سکتی ہے ہمارے زمانہ کے لوگوں نے اسلام کو پس پشت ڈال کر خود سلطنت کو مطلوب بنا رکھا ہے اور اسکی تحصیل کے لیئے ہر قسم کے ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں۔ خواہ وہ اسلام کے اغراض کے کتنے ہی مخالف کیوں نہ ہوں۔ پھر غضب یہ ہے کہ اس طرح تحصیل سلطنت کو فرض مذہبی بتایا جاتا ہے۔ یہ نہایت درجہ جہل یا بددینی ہے مسلمانوں کو متنبہ ہونا چاہیئے۔ ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اسلام میں سلطنت ضرور مطلوب ہے۔ مگر محض خدا کیلئے اور اسلام کے نفع کے لئے۔ نہ اسلئے کہ اوس سے خود اسلام ہی کو صدمہ پہونچا جاوے اور اس کے لئے وہ ذرائع اختیار کئے جائیں۔ جو خود اسلام ہی کی بیخ کنی کریں پس اس طرح سلطنت حاصل کرنا ضرور ناجائز ہوگا۔ خدا مسلمانوں کو سمجھ دے۔ کہ وہ نیک و بد میں امتیاز کریں (۲) یہ کہ اسوقت یہ بلا عالم گیر ہے۔ اور اسمیں عوام و خواص قریب قریب سب مبتلا ہیں کہ جب غیر قوموں کی

۱۲

طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو وہ اس کا بالکل انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں
کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا - اور کوئی تفصیل نہیں کرتے ۔

اب ہم اسکی حقیقت جلاتے ہیں - واضح ہو کہ اسلام کے تلوار کے زور سے پھیلنے کے دو معنے ہو سکتے ہیں - ایک یہ کہ مسلمانوں نے اپنی حکومت میں لوگوںکو مجبور کیا کہ وہ مسلمان ہو جائیں - اور وہ مجبوراً مسلمان ہوئے - تو یہ امر تو بالکل غلط ہے - اور نہ اسلام میں ایسا کوئی حکم ہے - کہ تم لوگوں کو مجبور کرو - اور نہ مسلمانوں نے ایسا کیا ہے - اور دوسرے معنے یہ ہیں - کہ حکومت کو دخل تھا - اسلام کے شیوع میں - تو یہ ایک واقعہ ہے - اور اس کے انکار کی ضرورت نہیں کیونکہ سلطنت میں ایک قدرتی اثر ہے - جذب قلوب کا - اور جس قوم کے پاس سلطنت ہوتی ہے اس کے افعال واقوال اسکی وضع قطع اسکی طرز معیشت وغیرہ سب لوگوں کو پیاری معلوم ہوتی ہے اور لوگ باختیار خود بلا جبر و اکراہ اسکو قبول کرتے ہیں - اسکی ایک مثال تو آپکے سامنے موجود ہے چنانچہ آپ کو معلوم ہے - کہ ہندوستان کے تمدن اور اس کے جذبات اور خیالات پر مغربی تمدن اور خیالات کا کسقدر گہرا اثر پڑا ہے - کہ علمائے دین تک اس وبا سے محفوظ نہیں رہے - تو کیا ان کو اس کے اختیار کرنے پر حکومت نے مجبور کیا ہے - نہیں - بلکہ وہ ہی قدرتی اثر ہے جو کہ سلطنت میں ہوتا ہے اور دوسری مثال یہ ہے کہ آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں غور کریں کہ آپنے تیرہ برس مکہ میں رہ کر کتنے لوگوں کو مسلمان کیا - اور دس برس مدینہ منورہ میں رہ کر کتنے لوگوں کو - اور مدینہ میں بھی فتح مکہ سے پہلے کتنے لوگ مسلمان ہوئے اور بعد کو کس قدر - اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ حکومت کو شیوع اسلام میں دخل تھا - یا نہیں تھا اور ضرور تھا - کیونکہ جب آپ مکہ میں تھے اسوقت آپ کے وعظ اور اخلاق و عادات میں تاثیر کم نہ تھی - اور مدینہ میں آکر وہ تاثیر کچھ بڑھ نہ گئی تھی - پھر یہ تفاوت کیوں تھا - اس کا منشا صرف یہ تھا کہ مکہ میں آپ کے پاس حکومت نہ تھی - اور مدینہ میں حکومت تھی - پس یہ حقیقت ناقابل

۱۳

انکار ہے کہ اسلام کی اشاعت میں حکومت کو دخل تھا۔ مگر یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ کیونکہ اس پر اگر اعتراض کیا جاوے گا۔ تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ مسلمانوں نے سلطنت کیوں حاصل کی۔ اس اعتراض کا لچر ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ مسلمانوں نے اپنی کسی ذاتی غرض سے حکومت حاصل نہیں کی۔ بلکہ وہ اسمیں اپنے حاکم (خدائے تعالے) کی اطاعت کے لئے مجبور تھے۔

اب اگر یہ اعتراض ہو کہ خدا نے ایسا کیوں حکم دیا۔ تو یہ بھی محض بے معنی ہے۔ کیونکہ جب خدا کو دنیا میں اپنا قانون جاری کرنا ضروری تھا تو اس کے حفاظت کے لئے قوت کی ضرورت تھی سلاطین دنیا اپنی ذاتی اغراض کے لئے قانون بناتے ہیں۔ اور قوت سے اسکی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر ان کو کوئی ملزم نہیں ٹھیراتا۔ تو کیا حق تعالیٰ کو اپنے ملک میں اپنی رعایا کی بہبودی کے لئے اپنے قانون کی قوت سے حفاظت کرنے کا اتنا بھی حق نہیں۔ جتنا کہ سلاطین دنیا کو ہے جبکہ ہے تو پھر اُسکے فعل پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اسلام کا این معنی بزور شمشیر پھیلنا نہ واقع کے خلاف ہے اور نہ اس پر کچھ اعتراض ہو سکتا ہے۔ بلکہ اگر اسلام پہلے معنی کی رو سے بھی بزور شمشیر پھیلایا جاتا۔ گو واقعہ ایسا نہیں ہے۔ تاہم قابل اعتراض نہ تھا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے۔ کہ کفر خدائی حکومت کی بغاوت اور اُسکے قانون کی خلاف ورزی ہے۔ اور بغاوت اور قانون کی خلاف ورزی کو قوت سے روکنا۔ اور ملک میں بزور شمشیر بد امنی کا انسداد کرنا کوئی جرم نہیں۔ بلکہ یہ عین انصاف ہے چنانچہ تمام دنیا کے سلاطین اور تمام دنیا کے عقلاء کا اسپر اتفاق ہے اور تمام سلطنتوں میں اسی مقصد کے لئے پھانسیاں اور جیل خانہ اور توپ خانہ اور فوجیں وغیرہ موجود رہتی ہیں تو جب سلاطین دنیا کا یہ جبری طور پر اپنی قانون کو اپنی رعایا سے منوانا کسی عاقل کے نزدیک جرم نہیں ہے۔ تو حق تعالیٰ کا جو احکم الحاکمین ہے اپنی رعایا کو اپنے قانون کے ماننے کے لئے مجبور کرنا کیسے جرم ہو سکتا ہے۔ پس مقتضائے عقل یہی ہے۔ کہ اسکو تسلیم کیا جاوے کہ حق تعالیٰ کو حق اکراہ

۱۴

کامل طور پر حاصل ہے۔ مگر چونکہ یہ جبر مصلحت امتحان کے خلاف تھا۔ اسلئے اُس نے اس حق سے کام نہیں لیا پس حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ایسے لایعنی اعتراضات کرتے ہیں وہ خدا کے معنی ہی نہیں جانتے۔ اور ان سے زیادہ نادان وہ ہیں جو ایسے اعتراضات سے مغلوب ہو کر حقائق اسلامیہ کا انکار کر بیٹھتے ہیں پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ پرائے شگون کے لیے اپنی ناک نہ کٹایا کریں۔ اور مخالفین کے جواب میں حقائق اسلامیہ کا انکار نہ کیا کریں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ایسے جوابات درحقیقت جواب نہیں ہوتے۔ بلکہ معترضین کی تائید اور انکی موافقت ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ اگر اسلام میں یہ بات ہو جو تم کہتے ہو۔ تو ہم بھی اسکو قابل اعتراض سمجھتے ہیں۔ مگر اسلام میں یہ بات ہی نہیں پس جب مقدمہ استثنائیہ غلط ہوگا تو اعتراض مسلم ہو جاوے گا۔ افسوس اسلام کے نادان دوست اسکو اسلام کی حمایت سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں وہ اسلام پر حملہ ہوتا ہے۔

سوم یہ کہ حق تعالیٰ نے قرآن میں اس جگہ اور بہت سی جگہ ان اللہ علی کل شیء قدیر فرمایا ہے اسکے متعلق یہ سمجھ لینا ضروری ہے۔ کہ حق تعالیٰ کا مقصود اس سے اپنی کمال قدرت کا اظہار ہے۔ اور وہ اس عموم سے یہ ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی قدرت میں کسی قسم کا نقص اور خود انہیں کسی نوع کا عجز نہیں جو اس مضمون کے متعلق مسلمانوں نے اپنی عقل کے بھروسہ پر خبط کر رکھا ہے کہ اپنی عقل سے چند اصول قائم کر کے اشیاء کو حق تعالیٰ کی قدرت سے خارج کرنا شروع کیا۔ اور کہا کہ فلاں چیز پر خدا کو قدرت نہیں ہے فلاں بات پر حق تعالیٰ کو قدرت نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور اسکو انہوں نے خدا کا اعلیٰ درجہ کا کمال قرار دیا ہے۔ مگر یہ اُنکی سخت غلطی اور نہایت گستاخی ہے۔ کیونکہ اول تو یہ بھی ممکن ہے۔ کہ جو اصول تنزیہ تمنے اپنی ناقص عقل سے تراشے ہیں۔ وہی غلط ہوں۔ پس ان کی بنا پر عمومات قرآنیہ کو باطل ٹھہرانا کسقدر جہل عظیم ہے۔ دوسرے خود یہ عنوان کہ حق تعالیٰ فلاں چیز پر قادر نہیں ہے۔ فلاں بات پر قادر نہیں ہے۔ یہ بھی گستاخی ہے۔ کیونکہ اس سے حق تعالیٰ کا عجز مترشح ہوتا ہے۔ گو وہ درحقیقت عجز نہ ہو آپ غور کریں کہ قرآن و حدیث میں کہیں یہ مضمون نہیں ہے کہ خدا فلاں چیز پر

۱۵

یا فلاں بات پر قادر نہیں ہے۔ اگر یہ کوئی تنزیہ کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ تو کیا حق تعالیٰ کو نعوذ باللہ اپنی تنزیہ کا بھی سلیقہ نہ تھا۔ کہ وہ ایک جگہ بھی یہ عنوان اختیار نہیں کرتا۔ مثلاً اپنے سے ظلم کی نفی کرتا ہے۔ تو کہتا ہے ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ اور یہ نہیں کہتا۔ کہ ان اللہ لا یقدر علی الظلم نیز وہ اپنے سے خلف وعدہ کی نفی کرتا ہے۔ تو کہتا ہے۔ ان اللہ لا یخلف المیعاد۔ اور یہ نہیں کہتا۔ کہ ان اللہ لا یقدر علی اخلاف المیعاد۔ وغیرہ وغیرہ۔ پس اگر نفی قدرت ہی کمال ہے۔ جیسا کہ ان مدعین کا دعویٰ ہے۔ تو حق تعالیٰ نے اس عنوان کمال تنزیہ کو چھوڑ کر۔ ادنیٰ تنزیہ پر کیوں قناعت کی پس ثابت ہوا۔ کہ یہ تنزیہ کے عنوانات نہیں ہیں۔ بلکہ موہم عجز یا مثبت عجز ہونے کیوجہ سے واجب الترک ہیں۔ میں سچ عرض کرتا ہوں۔ کہ جب میں ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر کی ممکن کے ساتھ تقیید دیکھتا ہوں۔ تو مجھے یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ گو یہ قید واقع میں ضرور ملحوظ ہے۔ مگر الفاظ میں اس کا وجود بظاہر حق تعالیٰ کی قدرت کو مقید اور محدود کرتا ہے جو کہ حق تعالیٰ کے مقصود کے خلاف ہے۔ آخر کیا حق تعالیٰ نہیں جانتے تھے۔ کہ ممکنات ہی مقدور ہیں۔ اور کیا وہ علی کل شئی ممکن بولنا نہیں جانتے تھے ضرور جانتے تھے۔ تو پھر اس عنوان کو کیوں اختیار کیا محض ابہام عجز کے دفع کے لئے۔ پس آپ اسکو مقید کر کے اس مقصود کو کیوں ضائع کرتے ہیں۔ پس مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان اللہ علی کل شئی قدیر کے ظاہری اطلاق کو جو کہ ایک بڑی مصلحت پر مبنی ہے لفظی تقیید سے باطل نہ کریں۔ اور یہ عنوان مطلقاً چھوڑ دیں کہ خدا فلاں چیز پر قادر نہیں ہے۔ فلاں بات پر قادر نہیں ہے ہاں یہ کہنا۔ کہ خدا ظلم نہیں کرتا خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا وغیرہ ضرور صحیح ہے۔ بس اسی پر اکتفا کرنا چاہئے پھر روئے سخن اس جگہ خاص امکان کذب و امتناع کذب یا امکان و امتناع نظیر کے مسائل کی طرف نہیں ہے۔ بلکہ میں اس وقت ایک عام گفتگو کر رہا ہوں۔ اور جو چیزیں بالاجماع محالات سے ہیں۔ اون کی نسبت بھی میں اس عنوان کو نامناسب سمجھتا ہوں کیا آپ کو معلوم نہیں۔ کہ بندر سور بھی حق تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں پھر

۱۶

خدا کو خالق القردۃ والخنازیر کہنے سے کیوں روکا جاتا ہے اوسکی وجہ محض یہ ہی ابہام سوء ادب ہے۔ پہر کیا یہ عنوانات کہ فلاں شئے خدا کی قدرت سے خارج ہے اور فلاں بات کی خدا کو قدرت نہیں۔ موجب ابہام سوء ادب نہیں۔ ضرور ہیں۔ تو پہر انکی کیونکر اجازت ہو سکتی ہے۔

اب ہم اس استطرادی اور ضمنی مضمون کے بعد پہر تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ اس تعلیم دعائے حصول سلطنت کے بعد کفار کے ساتہ برتاؤ کی تعلیم فرماتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ جب انکی سرکشی اور عناد کی یہ حالت ہی۔ کہ وہ کسیطرح حق تعم کی اطاعت قبول کرنے پر راضی نہیں ہیں۔ اور بغاوت ہی پر کمر بستہ ہیں۔ تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ مسلمانوں سے تجاوز کرکے کفار کو اپنا دوست نہ بناویں (نہ یوں کہ مسلمانوں سے دوستی نہ رکھیں اور کفار سے دوستی رکھیں اور نہ یوں کہ مسلمانوں سے بہی دوستی رکھیں اور کفار سے بہی۔ اور نہ یہ دوستی اور محبت دل سے ہونی چاہیے۔ اور نہ ظاہری برتاؤ سے) اور جو کوئی ایسا کرے گا اسکو خدا سے[1] کوئی واسطہ نہیں بجز اس صورت کے کہ تم اون سے (کسی قسم کا) بچاؤ کرو۔ (اور اپنے کو ان کے ضرر سے محفوظ رکہو بشرطیکہ اس سے بچنے کی کوئی اور صورت نہو۔ اور ضرر بہی معمولی نہ ہو اور احتمال ضرر بہی غالب ہو۔ اس صورت میں صرف اظہار دوستی کی اجازت ہے اور دلی دوستی کی اب بہی اجازت نہیں۔ اور جو معاملات دشمنی کے ساتہ بہی جمع ہو سکتے ہیں۔ اور دوستی کے ساتہ مخصوص نہیں۔ جیسے بد خلقی نہ برتنا یا مہمان کی خاطر داری۔ انسانی ہمدردی۔ یا بیع و شرا و لین دین وغیرہ یہ دوستی میں داخل نہیں ہیں۔ اور نہ یہ امور فی نفسہ ممنوع ہیں۔ جبتک کہ کوئی خارجی مانع نہ موجود ہو۔ اسجگہ دشمنی سے مراد وہ دشمنی ہے جو مقتضی عقل ہو۔ اور وہ دشمنی مراد نہیں ہے جو مقتضی عقل کے خلاف

17

[1] لیکن اگر کسی مبتدع کی بدعت کی رد کی ضرورت پڑے تو اس وقت اوس تقیید اور اس نفی کی لفرد اجازت ہی ۱۲ حضرت مولانا۔ [2] فی ہذہ الترجمۃ اشارۃ الی ان لفظۃ من فی قولہ من اللہ اتصالیۃ کما فی قولہ فمن شرب منہ فلیس منی ولیست بیبانیۃ والمعنی انہ لیس متصلا من اللہ ومتعلقا بہ فی شئ من الاشیاء وامر من الامور ولیس التعمیم التحقیقی بمقصود بل المقصود ہو المبالغۃ فی التہدید واظہار الکراہۃ بقرینۃ العرف واللہ اعلم

اس زمانہ میں موالات کے معنی میں بہت غلطی کی جارہی ہے اسکو سمجھ لینا چاہیئے)۔ اور زیہ ضرور ہے۔ کہ خدا نے تمکو ضرر کفار سے بچنے کے لئے اظہار دوستی کی اجازت دی ہے مگر اس کے ساتھ ہی) خدا تمکو اپنے سے (بھی) ہوشیار کرتا ہے (سو تم ایسا نکرنا۔ کہ اون سے دلی دوستی یا بے قاعدہ اظہار دوستی کر کے خدا کی مخالفت کر بیٹھو اور بتایا ورہے۔ کہ) خدا کی ہی طرف لوٹنا ہے۔ (اسلیئے تمکو کوئی ایسا کام نکرنا چاہیئے جس سے تمہیں اُس کے سامنے ندامت ہو) آپ (ان سے) کہدیجئے۔ کہ اگر تم اپنے مافی الضمیر کو (دل ہی میں) پوشیدہ رکھوگے۔ یا اسکو (زبان وغیرہ) سے ظاہر کروگے (ہر صورت میں) وہ (تمہارا مافی الضمیر) حق تعالیٰ کو معلوم ہوگا۔ اور (صرف مافی الضمیر ہی نہیں بلکہ) وہ ان تمام چیزوں کو بھی جانتے ہیں۔ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ اور (علم کے ساتھ) ان کو ہر چیز پر قدرت بھی ہے (ان وجوہ سے اگر تم کفار سے حقیقۃً یا ظاہرًا دوستی رکھوگے۔ تو وہ تمکو اس پر سزا دے سکتے ہیں پس تم کو اس سے کامل احتیاط چاہیئے۔ اسکی برائی کا گو آج تمہیں احساس نہ ہو مگر)

۱۸ جس روز ہر شخص اپنے اچھے کئے کو اور برے کئے کو (دونوں کو) اپنے سامنے موجود پائیگا اوس روز (اسکو اس کا احساس ہوگا اور) وہ (بہزار جان) چاہے گا۔ کہ کاش اوس (شخص) کے اور اس (دن) کے درمیان ایک مسافت بعیدہ ہوتی۔ (اور اسلئے اوسکو اپنے برے اعمال سے سابقہ نہ پڑتا۔ مگر اسوقت کی اس خواہش سے بجز حسرت کے اور کچھ نہ ہوگا جو کہ خود بھی تکلیف دہ ہے۔ پس وہ خواہش بجائے مفید ہونے کے الٹی مضر ہوگی)۔ اور (اسلئے) حق تعالیٰ (پھر) تمکو اپنے سے ہوشیار کرتا ہے (کہ تم اسکی مخالفت نکرو۔ اور اس طرح اس کے عذاب سے بچو) اور (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ (اپنے) بندوں پر بہت مہربان ہے (کہ اونکو ضرر سے بچانیکا اسقدر اہتمام کرتا ہے۔ یہاں تک ضمنی مضامین بیان فرماکر پھر اہل کتاب کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔)

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ

آپ (ان اہل کتاب سے) کہدیجئے۔ کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو (جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے) تو میرا اتباع کرو۔ (کیونکہ محب کا

وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا
يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى
اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ
عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ ذُرِّيَّةً ۢ بَعْضُهَا
مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ
قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ
لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ
اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ فَلَمَّا
وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ
اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ
وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّىْ
سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا
بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝
فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا
نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا
دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ
عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى
لَكِ هٰذَا ۗ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ
اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا
رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ
ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝
فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ

کام محبوب کی رضا جوئی ہوتی ہے اور حق تعالےٰ
کی خوشنودی اسی میں ہے۔ کہ تم میرا اتباع
کرو۔ اگر تم ایسا کروگے۔ تو حق تعالیٰ بھی
تم سے محبت کریں گے اور تمہارے گناہوں کو
معاف کریں گے۔ اور (حق تو یہ ہے کہ)
حق تعالیٰ بڑے ہی معاف کرنے والے
اور رحمت والے ہیں (کہ ایسے ضدی اور
متمرد لوگوں کو بھی معاف کرنے کو تیار
ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ) آپ کہدیجئے
کہ تم لوگ خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔
اب اگر وہ (اس سے) پھریں۔ تو (خدا
کو ان سے کوئی محبت نہیں۔ کیونکہ)
خدا کافروں سے محبت نہیں کرتا۔ یہاں تک
حق تعالیٰ عام طور پر اہل کتاب سے خطاب
کرکے بعض گذشتہ واقعات بیان فرمانے
ہیں جن سے بہت مفید نتائج پیدا ہوتے
ہیں۔ مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی نبوت پر استدلال جو کہ اہل کتاب
اور مسلمانوں کے درمیان متنازع فیہ ہے
اور اسی لئے وہ اتبعونی اور اطیعوا الرسول
کے لئے بمنزلہ دلیل کے ہے۔ اور حق تعالیٰ
کی کمال قدرت پر استدلال۔ اور اس کے
ذریعہ سے نصاریٰ کی تردید۔ اور یہود کی

يُصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ع

ع ۱۲/۱۱ ۲۰

مخالفت وعناد کا بیان - وغیرہ وغیرہ - اور فرماتے ہیں - کہ) اللہ تعالیٰ نے آدم اور نوح کو اور ابراہیم کے گھرانے اور عمران کے گھرانے کو تمام جہان کے مقابلہ میں منتخب کیا - بحالیکہ وہ ایسی اولاد تھے - جو کہ ایک دوسرے سے (نسبی تعلق کے ساتھ روحانی تعلق بھی رکھتے) تھے (اور سب کے سب حق تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار تھے جسکو انہوں نے ایک دوسرے سے حاصل کیا تھا - پس وہ انکی نسبی اولاد ہونے کے ساتھ روحانی اولاد بھی تھی - گو حضرت آدم علیہ السلام کسی کی اولاد نہ تھے مگر ان کو ان میں تغلیباً داخل کر لیا گیا ہے اور ذریۃ بعضہا من بعض کی قید کا فائدہ ایک تو اس اطلاق کی تقیید ہے جو کہ آل ابراہیم وآل عمران سے مستفاد ہے اور دوسرا یہ کہ اس میں علت اصطفا کی طرف اشارہ ہی اور اللہ سننے والے اور جاننے والے ہیں (اسلئے وہ ان کے اقوال وافعال حالات وحرکات عقائد وخیالات سے واقف تھے - اور انہوں نے انکو اس کا اہل پاکر یہ شرف اصطفا بخشا ہی اور چونکہ وہ برگزیدگان حق تعالیٰ تھے اسلئے حق تعالیٰ کو اُن کا بہت پاس تھا - چنانچہ) تم اسوقت کو یاد کرو - جسوقت عمران کی بیوی نے (بحالت حمل) کہا - کہ اے میرے پروردگار میں نے آپکے لئے اوس بچہ کی منت مانی ہے - جو کہ میرے پیٹ میں ہے (کہ میں اوسکو آپکے گھر بیت المقدس کی خدمت کے لئے چھوڑ دوں گی) پس آپ اسکو میری جانب سے قبول فرمائیے - بیشک آپ سننے اور جاننے والے ہیں (اسلئے آپ کو میری نذر بھی معلوم ہے اور اوسکی نیت بھی اور یہ درخواست بھی) پھر جبکہ انہوں نے اسکو جنا - (اور دیکھا کہ وہ لڑکی ہے اور لڑکی ترنانہ کمزوری خیال ننگ وناموس حیض ونفاس وغیرہ کی وجہ سے بیت المقدس کی خدمت کے لئے

زیبا نہیں) توانہوں نے کہا کہ اے اللہ میں نے تو (خلاف توقع) اس (بیٹے کے بجے) کو لڑکی (کی شکل میں) جنا (خیر جیسی کچھ ہے۔ آپ کے لئے حاضر ہے غرض وہ اس لڑکی کے پیدا ہونے سے بددل ہوئی) اور (حقیقت یہ ہے۔ کہ اوسکو اس بددلی کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ) حق تعالیٰ کو اس (بچہ) کی حالت خوب معلوم ہے جسکو اُس نے جنا ہے اور (واقعہ یہ ہے۔ کہ) وہ لڑکا (جوان کے ذہن میں تھا) اس لڑکی جیسا نہیں تھا (لہٰذا ہمیں یہ اس سے زیادہ پسند ہے) اور (اس نے یہ بھی کہا کہ) میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اسکو اور اُسکی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں (واضح ہو کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اوسکو شیطان چھیڑتا ہے اور وہ اس سے روتا ہے۔ بجز مریم علیہا السلام اور ان کے بچہ عیسیٰ علیہ السلام کے۔ اس عموم سے گو یہ مستفاد ہوتا ہے۔ کہ یہ ان کی خصوصیت ہے۔ اور نہ کسی نبی کو یہ بات حاصل ہے نہ غیر نبی کو۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ عیسےٰ و مریم علیہما السّلام تمام انبیاء سے افضل ہو جائیں کیونکہ یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے۔ کہ بحکم فضلنا بعضہم علی بعض دوسرے انبیاء کو او فضائل عطا ہوئے ہیں۔ جو کہ حضرت عیسےٰؑ کو نہیں ملے۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور پر جا کر حق تعالیٰ سے براہ راست کلام کرنا۔ وغیرہ۔ پس یہ ممکن ہے کہ بعض انبیاء کے دوسرے فضائل مختصہ یا مشترکہ حضرت عیسےٰؑ و مریمؑ کے فضائل مختصہ یا مشترکہ سے بڑھے ہوئے ہوں۔ پس اس سے احتجاج بیکار ہے۔ دوسرے ولادت کیوقت میں شیطان سے محفوظ ہونا۔ یہ ایک گونہ امتیاز ضرور ہے۔ مگر فی نفسہ کوئی کمال کمالات نبوت میں سے نہیں ہے۔ اسلئے اوسکو کمالات نبوت کے مقابلہ میں پیش کرنا۔ اور تمام کمالات نبوت سے افضل قرار دینا محض جہالت ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ضرور منقول ہے۔ کہ عیسےٰ و مریم علیہما السلام کو ولادت کے بعد شیطان نے نہیں چھوا۔ مگر اس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ وہ اثر تھا انکی ماں کی دعا کا جو انہوں نے کی تھی۔ کہ انی اعیذہا بک و ذریتہا من الشیطان الرجیم۔ کیونکہ اس دعا کا صرف اتنا مطلب ہے کہ میری اولاد کو اپنا تابعدار رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان انہیں

۲۱

گمراہ کردے۔ اور اسلئے اسکو مس بوقت ولادت سے کوئی تعلق نہ تہا۔ کیونکہ اوسکا اثر طاعت و معصیت پر نہیں پڑتا۔ بلکہ وہ ایک قسم کی شرارت ہے۔ جو کہ شیطان اپنی عداوت کی بنا پر بچوں کے ساتہ کرتا ہے۔ اور ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حدیث مذکور روایت کر کے اسکی تائید میں یہ آیت پڑھی۔ سو یہ ان کا اجتہاد ہے۔ والمجتہد یخطئی ویصیب پس اگر اس حدیث پر کوئی یہ اشکال کرے۔ کہ دعا سے پہلے شیطان چہو سکتا تہا۔ تو یہ اشکال حدیث پر نہیں بلکہ ابو ہریرہؓ کے اجتہاد پر ہے۔ اور اگر حضرت ابو ہریرہؓ کے استدلال کی یوں توجیہ کی جاوے کہ حضرت مریم علیہا السّلام کا مس شیطان سے محفوظ رہنا خواہ دعا سے پہلے ہو یا بعد مگر حضرت عیسٰےؑ کا محفوظ رہنا چونکہ دعا کے بعد تہا اسلئے غالب یہی ہے کہ وہ اسی دعا کا اثر تہا۔ تو اس پر بہی اشکال نہیں۔ واللہ اعلم

الغرض مریم کی ماں ان کو اپنی منت اتارنے کے لئے بیت المقدس میں اس کے خدام کے سپرد کرنے کے لئے (آئیں) پس ان کے رب نے اونکو بقبول حسن قبول کیا (اور قصد کے ساتہ لیا) اور عمدہ طور پر انکو نشو و نما دیا۔ (اور وہ خوب پہولی پہلیں کہ خرق عادت کے طور پر غذا پائی۔ نیکی و طاعت میں زندگی بسر کی۔ بچہ ہوا وہ بہی (انبیاء عجیب) اور زکریا علیہ السلام (اُن کے خالو) کو ان کا کفیل بنایا۔ (جنہوں نے اونکو ایک عمدہ مکان میں رکہا۔ جو کہ بالاخانہ تہا) زکریا علیہ السلام جب کبہی اس عمدہ مکان (بالاخانہ) میں ان کے پاس جاتے۔ تو ان کے پاس کہانے کی چیزیں دیکہتے۔ وہ پوچہتے۔ کہ اے مریم یہ تمہارے پاس کہاں سے آئیں۔ تو وہ کہتیں کہ یہ خدا کے پاس کی ہیں (اوس نے خرق عادت کے طور پر مجہے دی ہیں) واقعی بات ہے کہ اللہ جسکو چاہتے ہیں۔ ان گنت رزق دیتے ہیں (یہ رزق مریم تو کس شمار میں ہے۔ کہ اوس پر تعجب کیا جاوے۔ اس واقعہ کو دیکہکر زکریا علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا استحضار ہوا۔ اور انہوں نے خیال کیا کہ جب حق تعالیٰ خلاف عادت مستمرہ مریم کو رزق دیتے ہیں تو کیا عجب ہے کہ خلاف عادت مجہی بہی اولاد دیں اسلئے) زکریا نے وہیں اپنے پروردگار سے دعا کی (چنانچہ) کہا کہ اے میرے پروردگار مجہے اپنے پاس سے (خلاف عادت) عمدہ اولاد

۲۲

دیجئے۔ آپ دعا کو سننے والے (اور قبول کرنے والے ہیں) پس فرشتوں نے ایسی حالت میں
کہ وہ محراب میں کھڑے ہوئے۔ اور نماز پڑھ رہے تھے۔ ان کو آواز دی۔ کہ اللہ تعالےٰ
آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتے ہیں بحالیکہ وہ خدا کی ایک بات (عیسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق
کرنے والے۔ اور سردار۔ اور (نفس کو اتباع شہوات سے) بہت روکنے والے
اور نبی ہوں گے۔ نیکوں میں سے (واضح ہو کہ اس جگہ عیسےٰ علیہ السّلام کو خدا کی ایک بات
کہا گیا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ جو کام یا جو چیز نہایت سہل اور آسان ہوتی ہے۔ جس کے کرنے
میں کچھ بھی تکلف نہیں کرنا پڑتا۔ اوسکو محاورہ میں بات کہتے ہیں۔ چنانچہ روزمرہ لوگ
خود اپنے محاورہ میں کہتے ہیں۔ کہ میاں اوسکی سخاوت کو کیا پوچھتے ہو۔ ہزار دو ہزار
روپیہ تو اِس کے نزدیک ایک بات ہیں۔ اسی طرح ایک شاعر کہتا ہے ؎

جھڑکی تو مدتوں سے مساوات ہوگئی | گالی کبھی نہ دی تھی۔ سو اب بات ہوگئی

یعنی نہایت معمولی اور نہایت سہل اور بے تکلف۔ اسیطرح مومن خاں کہتے ہیں ؎

کیا بات ہنسے بولے وہ بے طور کسی سے | کچھ بات ہے۔ وہ بات کرے اور کسی سے

یعنی کوئی آسان اور سہل ہے۔ پس چونکہ حق تعالیٰ انکو بے باپ کے پیدا کرنے والے تھے
جو کہ بادی النظر میں نہایت دشوار کام تھا۔ اور حق تعالیٰ کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ بے باپ
کے پیدا ہونا۔ لوگوں کو عجیب معلوم ہوگا۔ اور اسی بنا پر لوگ ان کے حق میں غلو کرینگے
اور انہیں خدا کا بیٹا اور خدا کہیں گے۔ اسلیئے حق تعالیٰ نے ان تمام استعجابات اور توہمات
کو دور کرنے کے لئے انکو خدا کی ایک بات کہا۔ جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ حق تعالیٰ کے نزدیک
عیسےٰ تخلیق کے لحاظ سے نہایت معمولی ہیں۔ اور ان کا بے باپ کے پیدا کرنا اسکو کچھ
بھی دشوار نہیں جس پر تعجب کیا جاوے یا خواہ مخواہ انکو خدا کا بیٹا یا خدا کہا جاوے
پس خود حضرت عیسےٰ کو کلمۃ اللہ کہنے میں بھی عیسائیت کی تردید ہے۔ نہ کہ اوس کا
ثبوت جیسا کہ نادان لوگ خیال کرتے ہیں یہ توجیہ جو میں نے کی ہے۔ نہ اصول شرعی
کے خلاف ہے نہ لغت کے۔ کیونکہ دوسرے مفسرین نے بھی قریب قریب یہی توجیہ کی
ہے۔ صرف فرق استعارہ اور مجاز مرسل کا ہے۔ اور میں نے جو مجاز مرسل کے بجائے

۲۴۳

استعارہ کو ترجیح دی ہے۔ تو اوس کی وجہ وہ نکتہ ہے جسکو میں بیان کرچکا ہوں۔ اور وہ نکتہ مجاز مرسل سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ نیز ایک حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں افعل ما ارید عطائی کلام وعذابی کلام انما امری لشی اذا اردت ان اقول لہ کن فیکون (مشکوٰۃ کتاب الدعا صفحہ ۱۷۲) اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ بات بمعنی سہل و آسان صرف اردو کا محاورہ نہیں، بلکہ یہ محاورہ عربی میں بھی ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری دین بھی ایک بات ہے۔ اور میرا عذاب بھی ایک بات ہے یعنی نہ میرے لئے انعام میں کوئی دشواری ہے۔ نہ تعذیب میں بلکہ دونوں میرے لئے آسان اور سہل ہیں۔

الغرض جب فرشتوں نے انکو خدا کا یہ پیغام پہونچایا تو اونہوں نے کہا کہ اے میرے پروردگار میرے بچہ کیسے پیدا ہوگا۔ مجھے تو بڑھاپا آپہونچا۔ اور میری بیوی بانجھ ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یوں ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ (اسباب کے پابند نہیں بلکہ وہ) جو چاہتے ہیں۔ کرتے ہیں۔ (چنانچہ وہ اِس کے لئے اسباب بھی پیدا کر دیتے ہیں اور بلا اسباب کے بھی کر سکتے ہیں۔ اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حضرت زکریا نے خود ہی سوال کیا تھا۔ کہ مجھے اولاد دیجئے۔ اور خود ہی کہتے ہیں کہ میرے کیسے بیٹا ہوگا اگر وہ سمجھتے تھے کہ میرے اولاد نہیں ہو سکتی۔ تو پھر درخواست کیوں کی تھی۔ اور اگر سمجھتے تھے کہ ہو سکتی ہے تو یہ کہنا کیسا کہ میرے بیٹا کیسے ہوگا۔ لیکن اِس کا جواب[۱] یہ ہے کہ انبیاء بھی انسان ہوتے ہیں۔ لوازم بشریت اِن سے منفک نہیں ہوتے ذہول ونسیان ان کے ساتھ بھی لگے ہوئے ہیں جس وقت انکو حضرت مریم کے پاس خلاف عادت رزق دیکھکر حق تعالیٰ کے کمال قدرت کا ایسا استحضار ہوا کہ اسباب نظر سے غائب ہو گئے تو انہوں نے دعا کی پھر جبکہ اِس درجہ کا استحضار باقی نہ رہا۔ اور اسباب پر نظر گئی۔ تو انکو یہ واقعہ غیر مقدور تو نہیں مگر بعید معلوم ہوا ؎ گہے بر طارم اعلیٰ نشینم + گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

۱؎ والجواب بانہ سوال عن الکیفیۃ ولیس باستبعاد یاباہ قولہ وقد بلغنی الکبر وامرأتی عاقر ویاباہ الجواب ایضاً فانہ لیس فیہ تعیین الکیفیۃ بل فیہ اظہار لکمال القدرۃ والاختیار فتدبر ۱۲

(باقی آئندہ)

غرض مسلمان چاہے کتنا ہی عیب دار ہو وہ کافر سے خواہ کتنی ہی خوبیاں رکھتا ہو ہزار درجہ افضل ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ جو شخص صرف ایمان لایا تھا اور کوئی کام اوس نے اچھا نہیں کیا اوسکو ایک مدت کے بعد عذاب سے نجات ملے گی اور کہا جائے گا کہ جاؤ جنت میں چین کرو اور اسکے مقابلہ میں ایک ایسا شخص لیجیے جو کہ دنیا میں بڑا خوش اخلاق اور ہر طرح کی خوبی رکھتا تھا مگر ایمان کی دولت سے محروم تھا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور کبھی اوسکو نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

اسکی مثال یوں سمجھو کہ اگر گورنمنٹ کی رعایا میں دو مجرم پکڑے جائیں ایک پر تو چوری کا الزام ہو اور دوسرے پر بغاوت کا تو سزا تو دونوں کو دیجائے گی لیکن چور کی سزا ایک خاص مدت کیلیے ہوگی ایک نہ ایک دن ایسا ضرور ہوگا کہ وہ سزا بھگت کر پھر اپنے گھر آئے اور چین سے بسر کرے اور وہ باغی کبھی قید سے رہائی نہ پائے گا اور زندگی بھر سزا کی تکلیف میں رہے گا یا فوراً پھانسی کا حکم ہوگا کہ زندگی ہی کا خاتمہ ہو جائے چاہے وہ کتنا ہی لائق اور قابل ہو اور وہ چور بالکل جاہل نکما ہو۔ صاحبو ایمان ایک سورج ہے اگر ہزاروں بادل کے ٹکڑے اوسکو چھپالیں تب بھی اوس کا نور چمک کر رہیگا اور جھلک جھلک کر روشنی ڈالے گا اور کافر کی خوبیاں آئینہ کی سی چمک ہے جو بالکل عارضی ہے اور دوسری مثال لیجیے اگر ایک گلاب کی شاخیں کسی گملہ میں لگادی جائیں اور اوسکے مقابل کاغذ کے ویسے ہی پھول بنا کر رکھدیئے جائیں تو اسوقت تو بیشک کاغذ کے پھولوں میں زیادہ رونق اور تازگی ہے اور اصلی گلاب کی وہ حالت نہیں لیکن ایک چھینٹا بارش کا ہو جائے پھر دیکھیے کہ گلاب کیا رنگ لاتا ہے اور کاغذ کے پھول کیسے بد رنگ ہوتے ہیں پس مسلمان چاہے دنیا میں کسی حالت میں ہو لیکن قیامت میں جب رحمت کا ابر برسے گا تو دیکھنا اس کا اصلی رنگ کیسا کچھ نکھرتا ہے اور کافر کی زرق برق حالت پر کیا پانی پڑتا ہے۔ صاحبو غیرت آنی چاہیے کہ مسلمان ہو کر اسلام کی حقیقت جانکر اپنے منہ سے کافر کو مسلمان پر فضیلت دو اور مسلمان کی برائی اور کافر کی تعریف کرو۔

جب معلوم ہوا کہ ایمان ایسی بڑی چیز ہے تو اس کے ساتھ جن چیزوں کو زیادہ تعلق ہوگا وہ فضل ہونگی۔ لیکن ایمان کے ساتھ اس تعلق کا سمجھنا ذرا دشوار ہے۔ کیونکہ کام دو قسم کے ہیں بعض ایسے ہیں کہ اسلام کا وجود اون سے ہے اور بعض کام ایسے ہیں کہ اون کا

مسلمان کتنا ہی عیب دار ہو کافر سے افضل ہے

مسلمان و کافر کی مثال

دوسری مثال

۲۱

افضل کام وہ ہیں جن سے اسلام کو مدد و قوت پہونچے

وجود اسلام سے ہے۔ تو افضل وہ کام ہیں جن سے اسلام کا وجود ہے اسیوجہ سے آیت
میں ایمان کے ساتھ اسی کام کو ذکر کیا گیا ہے جس سے اسلام کو قوت پہونچتی ہے کیونکہ
ظاہر ہے کہ جہاد سے کسقدر اسلام پھیلتا ہے اور کتنی مدد اسلام کو پہونچتی ہے۔ اور مسجد
کی تعمیر خود اسلام پر موقوف ہے تو اسلام کی قوت اور شوکت جہاد سے ہے مسجد کی تعمیر
سے نہیں بلکہ خود مسجد کا وجود اسلام سے ہے پس مسجد کی خدمت سے دین کی مدد اور اوسکو قوی بنانا
افضل ہے۔ اسی طرح اور جسقدر کام ہیں اون میں اسیکو دیکھنا چاہئے جیسے علم کا پڑھنا پڑھانا
وعظ و نصیحت کرنا یعنی لوگوں کی اصلاح کرنا کہ ان سے اسلام کی اشاعت ہوتی ہے اور قوت
اور مدد پہونچتی ہے۔ پس یہ وظیفوں اور نفل نماز سے افضل ہیں۔ لیکن جبکہ ضرورت کے
لائق یہ کام ہوجائیں تو بلا ضرورت اوس میں مشغول رہنے سے یہ بہتر ہوگا کہ کچھ وقت
عبادت کے لئے بھی نکالے اور کسیوقت اپنی بھی فکر کرے اور خدا کی یاد میں لگے
اور اسی کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ
یعنی جب اصلاح کے کام سے آپ فارغ ہوجائیں تو اپنے رب کی عبادت کے لئے کھڑے
ہوجائیں مطلب یہ ہے کہ ایک وقت ایسا بھی نکالئے کہ صرف خدا ہی کی یاد میں اوسوقت
مشغول ہوں کوئی دوسرا کام نہو۔ یہاں سے اون لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہوگئی جو کہ پیر
ہوجانے کے بعد بالکل مریدوں کی فکر میں رہتے ہیں اور اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں اس سے
اونکی نسبت کمزور ہوجاتی ہے اور فیض بند ہوجاتا ہے کیونکہ ہر چیز کے باقی رہنے کا ایک
سبب ہوتا ہے اور نسبت کے باقی رہنے کا سبب ذکر و شغل اور اپنا کام کرنا ہے اور نسبت[ل]
ہی کی وجہ سے وعظ میں تاثیر بھی ہوتی ہے جب نسبت نرہے گی تو فیض بھی بند ہوجائیگا
خلاصہ یہ ہے کہ جو کام ایسے ہیں جن سے اسلام کو قوت اور مدد پہونچتی ہے وہ افضل
ہیں اس قاعدے کو سامنے رکھہ کر نیک کاموں کے اندر فیصلہ کرنا چاہئے اور جسکو اسقدر
لیاقت نہو کہ خود فیصلہ کرسکے وہ کسی مولوی سے پوچھ لے کیونکہ ہر شخص کچھ نہ کچھ کام
ضرور کرتا ہے البتہ اگر کوئی کام ایسا ہو کہ اوسکی ضرورت معلوم ہوتی ہے اور دوسرا

۲۲

ل نسبت کہتے ہیں اللہ کے ساتھ تعلق اور محبت کو ۱۲ منہ

کام اس وقت اِس کے مقابلہ میں ضروری نہو تو جو ضروری ہو چاہے ادنیٰ درجہ ہی کا
ہو اوسکو کرنا چاہیے جیسے ایک آباد مسجد گرگئی اور نمازی پریشان ہیں یا عیدگاہ گرگئی تو ایسے موقع پر
اوس کا بنوانا زیادہ ضروری ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس جگہ کسی کام کی ضرورت خاص طور پر پائی جائے اور وہ معلوم بھی
ہو جائے وہاں تو اوسکو کر لینا چاہیے خواہ وہ کم درجہ ہی کا ہو اور جہاں ضرورت
نہ ہو وہاں اپنی رائے سے کسی کام کو فضیلت نہ دینا چاہیے۔ بلکہ کسی مولوی سے پوچھنا
چاہیے جیسے بخاری شریف کا مدرسہ میں دینا یا کسی غریب کو کھانا کھلا دینا اب نیک
کاموں کے مقابلہ میں یہ بھی بیان کر دینا مناسب ہے کہ جس طرح نیک کاموں کے اندر
آپس میں فرق ہے۔ اسی طرح گناہوں میں بھی فرق ہے۔ لیکن جس طرح نیک کاموں میں
دریافت کرنے کی ضرورت ہے کہ کس کام کو کیا جائے اور کسکو چھوڑا جائے اس طرح
گناہوں میں دریافت کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ گناہوں کو سب کو چھوڑ دینا چاہیے
کیونکہ چھوٹے بڑے گناہ سب گناہ ہیں اور حرام ہیں۔ اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ کیا
فلاں کام بہت ہی بڑا گناہ ہے مطلب یہ ہوا کہ اگر چھوٹا گناہ ہو تو ہم کر لیں۔ یاد رکھو
اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی ایک چنگاری کی نسبت پوچھے کہ کیا یہ چنگاری
بہت بڑی ہے۔ تو صاحبو جس طرح ایک بڑا انگارا مکان بھر کو پھونک دے گا۔ اسی طرح ایک
چنگاری بھی گھر بھر کو پھونک دے گی تو ایمان کے مکان کو ایک چھوٹا گناہ بھی ویسا ہی
برباد کر دے گا۔ جس طرح بہت بڑا گناہ تو سے بچنا چاہیے۔ بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ
رشوت لینا زیادہ گناہ ہے یا سود کھانا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ پیشاب
زیادہ گندہ ہوتا ہے۔ یا پاخانہ تاکہ جو کم گندہ ہو اوسکو کھا لو۔ غرض یہ ہے کہ نیک کاموں میں
تو فرق دریافت کرو اور گناہ سب چھوڑ دو۔ اب میں اس وعظ کا تعلق پہلے وعظ سے
بیان کرتا ہوں کہ اس آیت عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ میں تو یہ حکم تھا کہ تم اپنی فکر کرو دوسرے کی
فکر میں نہ پڑو۔ اس سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ شاید دوسرے کو نفع پہنچانے کی اجازت
نہیں تو آج کے بیان سے یہ شبہ جاتا رہا کیونکہ اس بیان سے دوسرے کو نفع پہونچانے

کی بھی فضیلت معلوم ہوئی۔ پس وہ آیت نفع پہونچانے کی ممانعت نہیں کرتی ہاں کسی کے پیچھے نہ پڑو۔ حق بات کہہ کر ختم کردو جیسا سوقت میں نے وعظ کہا ہے یہاں تک تو مناسب ہے اب اگر میں ایک ایک کے پیچھے پڑوں اور معلوم کرتا پھروں کہ کس نے اسپر عمل کیا اور کس نے نہیں کیا اور پھر اس کی فکر اور تدبیر میں لگوں اسکی ممانعت ہے کیونکہ اس سے بہت مرتبہ نقصان پہونچ جاتا ہے دیکھو حضورؐ کو ارشاد ہے وَذَكِّرْ فَاِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ یعنے آپ نصیحت کردیجئے آپ کا کام صرف نصیحت کرنا ہے۔ اور دوسرے موقع پر یہ بھی ارشاد ہے کہ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى یعنے جو بے پروائی کرتا ہے آپ اوس کے پیچھے کیوں پڑتے ہیں۔ غرض سمجھا دینے کا حکم ہے۔ پیچھے پڑنا بیکار ہے۔ ہاں جہاں اپنی پوری قدرت ہو وہاں ضروری ہے جیسے اپنی اولاد یا شاگرد۔ اگر کسیکو یہ اعتراض ہو کہ جب پہلے وعظ سے یہ شبہ ہوتا تہا تو اوسی وعظ میں یہ آیت بہی ذکر کرنا چاہیے تہی تو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں کیونکہ غرض تو اِس مضمون کے معلوم ہونے سے ہے اُس روز نہ معلوم ہوا تو نسہی آج معلوم ہوگیا۔ یہ مضمون دس بارہ دن سے میرے ذہن میں تہا درمیان میں خیال نہ رہا اللہ کا شکر ہے کہ آج بیان ہوگیا۔ یہ بالکل نیا مضمون ہے اِس سے اپنے کاموں میں افضل کے سمجھنے کا طریقہ معلوم ہوگیا اور اس طریقہ سے افضل کی پہچان آسان بہی ہے۔ اب خدا سے دعا کیجیے کہ وہ عمل کی توفیق دیں۔ اٰمین۔

۲۴

سلسلہ تسہیل المواعظ کی تیسری جلد کا دوسرا وعظ مسمّٰی بہ نیک کاموں کے درجے ختم ہوا اب انشاء اللہ ربیع الاول ہی سے تیسرا وعظ شروع ہے

(مکمل)

سلسلہ تسہیل المواعظ کی جلد سوم کا تیسرا وعظ

مُسمّٰی بہ

دُنیا سے رضامندی

(منتخب از وعظ سوم ملقب بہ الرضا بالدنیا حصہ چہارم دعوات عبدیت)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خطبہ ماثورہ ۔ اما بعد ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۱
اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ
هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥

(ترجمہ) بشیک وہ لوگ کہ ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی سے راضی ہیں اور اوس میں دل لگائے ہوئے ہیں اور وہ لوگ کہ ہمارے حکموں سے غافل ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے بسبب (اوس عمل کے) کہ وہ کرتے ہیں"

ان آیتوں میں اللہ پاک نے ایک خاص فرقہ کی برائی بیان فرمائی ہے۔ اور جس فرقہ کی برائی اس آیت میں ہے خدا کا شکر ہے کہ اوس فرقہ کا یہاں پر ایک شخص بھی نہیں ہے لیکن اس وجہ سے اس بیان کو بے ضرورت اور اپنے سے بے تعلق نہ سمجھنا چاہیے بلکہ اسمیں غور کرنا چاہیے کہ جس کی برائی کیجاتی ہے تو اوس کی ذات کیوجہ سے نہیں کیجاتی کیونکہ ذات میں تو سب انسان ایک ہیں۔ بلکہ اوس کے اندر کوئی بات برائی کی ہوتی ہے کوئی کام اوس کا برا ہوتا ہے جسکی وجہ سے برائی کیجاتی ہے دیکھئے قرآن شریف میں

جہاں کہیں کسی کی بُرائی اور مذمت کی گئی ہے تو جو صفت بُرائی کی اوس کے اندر تھی وہ بھی بیان کردی ہے اسی طرح رضامندی اور تعریف بھی ذات کیوجہ سے نہیں ہوتی بلکہ کسی خوبی اور اچھی صفت پر ہوتی ہے۔ کہ یہ خوبی اسمیں پائی جاتی ہے اسلئے ہم اس سے خوش اور راضی ہیں تو جب یہ معلوم ہوگیا کہ مذمت اور تعریف کا دار و مدار ذات پر نہیں بلکہ صفات پر ہے تو جس کے اندر بھی وہ صفات پائی جائیں گی وہ مستحق اس مذمت یا تعریف کا ہوگا خواہ وہ کوئی شخص بھی ہو اب یہ شبہ نہو گا کہ جس فرقہ کی ان آیتوں میں مذمت ہے جب اون میں سے ایک شخص بھی یہاں موجود نہیں ہے تو ان آیتوں کے بیان کرنے کی یہاں کیا ضرورت ہے غرض کہ یہ آیتیں چونکہ کافروں کے بارے میں ہیں اسلئے یہ شبہ ہوتا تھا لیکن اب یہ شبہ جاتا رہا کیونکہ جن باتوں پر کافروں کی مذمت کی گئی ہے دیکھنا یہ ہے کہ وہ ہم میں تو نہیں پائی جاتیں اگر ہمارے اندر بھی وہ باتیں موجود ہیں۔ تو ہم بھی اس مذمت سے بری نہیں آجکل لوگ یہ سنکر کہ فلاں آیت کافروں کے حق میں ہے بیفکر ہوجاتے ہیں کہ ہم سے اس کا کچھ تعلق نہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو کہ وہ آیت جو کافروں کے حق میں ہے وہ بیفکر کرنے کی چیز نہیں وہ تو مسلمانوں کے لئے بہت بڑا تازیانہ ہے اوس سے عبرت پکڑنی چاہئے مگر مسلمان اوسکو سنکر بے فکر ہوجاتے ہیں کہ یہ تو کافروں کے حق میں ہے ہم سے کیا مطلب۔ صاحبو یہ صحیح ہے کہ یہ کافروں کی مذمت ہے اور قرآن میں اکثر جگہ کافروں ہی کی مذمت کی گئی ہے مسلمانوں کی مذمت قرآن شریف میں بہت کم ہے مگر یہ تو غور کرنے کی بات ہے کہ کافروں کی بُرائی ہم مسلمانوں کو کیوں سنائی گئی ہے مطلب اس سے یہ ہے کہ ان باتوں کا مسلمانوں میں ہونا بہت زیادہ عجیب ہے یہ باتیں تو صرف کافروں میں ہوتیں مسلمانوں میں کبھی نہ ہوتیں۔ ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کو نہ کسی کی ذات سے عداوت ہے اور نہ کسی کی ذات سے محبت ہے بلکہ جس کے اندر اچھی باتیں ہوں اوس سے وہ راضی اور خوش ہیں اور جس کے اندر بُری باتیں ہوں اوس سے وہ ناراض ہیں تو اگر وہی بُری باتیں جنپر کافروں کی مذمت کی گئی ہے مسلمانوں میں بھی ہوں جو تابعدار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو اونکو اور بھی شرمانا چاہئے

جن آیتوں میں کافروں کی مذمت کی گئی ہے اون سے مسلمانوں کو بیفکر نہ ہونا چاہیئے

اور اسکی اصلاح کرنا چاہیئے۔ پس اب یہ دیکھنا ضروری ہوا کہ کافروں کو جن باتوں پر تاڑا گیا ہے وہ ہمارے اندر ہیں یا نہیں اگر ہم میں وہی باتیں ہیں تو اون کی درستی بہت زیادہ کرنی چاہیئے۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک باغی کو بادشاہ بُرا بھلا کہے کہ تو نے بغاوت کی تو نے سرکار کا مقابلہ کیا تو نے یہ کیا تو نے وہ کیا تو اس خفگی کو سنکر دوسرے مجرموں کو بھی ڈرنا چاہیے اور بے خوف نہ ہونا چاہیئے اور انکو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جو الزام باغی پر لگائے گئے ہیں اور جن باتوں پر خفگی اوسپر کی گئی ہے وہ تمام یا اون میں سے کچھ ہمارے اندر تو نہیں۔ یا ایک زبردست آدمی ظلم کرتا ہے اور رعایا کو ستاتا ہے یا ڈکیتی کرتا ہے لیکن باغی نہیں ہے ہاں فوجداری کی بہت سی دفعیں اوسپر قائم ہیں۔ اور اتفاق سے بادشاہ نے اسی کے سامنے ایک باغی پر خفگی اور غصہ کیا کہ تو نے بغاوت کی تو نے رعایا کو ستایا تو نے ڈکیتی کی تو اس شخص کے بھی کان ہونے چاہئیں ہاں ایک فرق ضرور ہے کہ اگر جرائم کم ہوں گے تو ناخوشی کم ہوگی اور زائد ہوں گے تو ناخوشی زائد ہوگی سو مسلمان خواہ کیسا ہی بدین مجرم ہو مگر اوس کا جرم کافر کے برابر نہیں ہوسکتا تو یہ ماننا پڑے گا کہ مسلمان پر اتنی ناخوشی نہ ہوگی۔ لیکن اسپر تو تسلی نہ ہونی چاہئے کہ ہم سے ناخوشی کم ہے دیکھو اگر کسی مجرم کو دس برس کی قید ہو اور دوسرے کو پانچ برس کی تو کیا اس دوسرے کو بے فکری ہوگی میرے خیال میں کوئی عقلمند ایسا نہیں کہ وہ اسوجہہ سے بے فکر ہو جائے کہ میری سزا فلاں شخص سے تو کم ہے بلکہ ایک باریک بات ہے کہ بعض وقت بڑی دفعہ اور بڑی سزا سنکر اتنی کلفت نہیں ہوتی جتنی چھوٹی دفعہ اور چھوٹی سزا سنکر ہوتی ہے۔ کیونکہ بڑی سزا سنکر تو مایوسی ہو جاتی ہے اور مشہور ہے کہ مایوسی بھی ایک قسم کی راحت ہے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ اسکو ایک جرم میں جج نے سات برس کی قید کا حکم دیا اور اس سے کہا کہ دیکھو تم اپیل نہ کرنا ورنہ تم کو زیادہ سزا ہو جائے گی۔ میں نے تم کو بہت کم سزا دی ہے مگر اس شخص نے اپیل کی اس میں شاید ۲۸۔ برس کی سزا ہوئی۔ ۲۸۔ برس کا نام سنکر اوسکو بالکل مایوسی ہوگئی کہ اب زندہ پھر نہیں نکل سکتا اور اس مایوسی سے

ایک قسم کی راحت اور اطمینان ہوگیا تو اس لحاظ سے تو مسلمان کو چھوٹی سزا سنکر زیادہ فکر میں پڑنا چاہیئے کہ اسکو تو مایوسی بھی نہوگی۔ غرض اس لحاظ سے یہ فرق ہے چاہے دوسرے لحاظ سے دوسرا فرق بھی ہو۔ مگر میں نے خاص اس فرق کو اس لئے بیان کیا تاکہ بے فکری نرہے۔ کیونکہ یہ بات سنکر کہ ایک نہ ایکدن دوزخ سے نکل آئینگے اکثر لوگ بیفکر ہیں سو یہ بڑی غلطی کی بات ہے کہ تھوڑی سزا کو سنکر بے فکر ہوجائیں۔ غرض مسلمانوں اور کافروں کی سزا میں فرق ہونے کا انکار نہیں لیکن وہ فرق بے فکر نہیں کرسکتا بلکہ زیادہ فکر ہونا چاہیئے یا برابر ہی ہو یا کم ہی فکر ہو مگر ہو تو۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ بالکل ہی بے فکر بیٹھے ہیں جو بیخبر ہیں وہ تو بالکل ہی خیال نہیں کرتے ان کی تو شکایت ہی کیا۔ مگر غضب تو یہ ہے کہ بعض خبردار بے فکر ہیں کہتے ہیں کہ کافروں کی برابر سزا تھوڑا ہی ہوگی۔ میں اس بے فکری کے دور کرنے کے لئے یہ تمام تقریر کررہا ہوں کہ اس خیال کو کبھی دل میں نہ لائے اور اس اعتراض کا جواب دے رہا ہوں کہ یہ آیت تو کافروں کے حق میں ہے پھر ہمکو کیا فکر جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جن باتوں پر کافروں کو یہ دھمکی دی گئی ہے اگر آپ میں بھی وہ باتیں ہیں تو آپ کو ضرور فکر ہونی چاہئے۔ دیکھئے اگر چمار کو چمار کہہ کر دس جوتیاں ماری جائیں تو اوسے کچھ زیادہ شرم نہیں لیکن اگر کسی بڑے آدمی کو چمار کہدیا جاوے تو نہایت شرم کی بات ہے سو اسیطرح کافروں کو اگر یہ کہدیا جائے کہ وہ آخرت کا انکار کرنے والے اور دنیا کے ساتھ راضی رہنے والے ہیں اور خدا تعالیٰ کے حکموں سے غافل ہیں تو کچھ عجب نہیں۔ لیکن اگر مسلمان میں یہ باتیں پائی جائیں اور اسوجہ سے وہ بھی اس مذمت میں آجائے تو زیادہ شرم کی بات ہے اور لیجئے اگر کسی عزت دار کو بھنگی کے ساتھ قید کردیں تو اوس کے لئے کتنی ننگ کی بات ہے یادرکھو کہ دوزخ خاص کافروں کے لئے ہے مگر مسلمان اپنے ہاتھوں وہ عادتیں اختیار کرکے جو کافروں میں پائی جاتی ہیں اون میں شامل ہوتے ہیں اور اون کے ساتھ قید ہونے کے کام کرتے ہیں اور دلیل اسکی یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے

۴

(باقی آیندہ)

دیکھکر پڑھتے تھے اور قرآن پڑھنے کے وقت وہ اللہ کے حکم سے بینا ہو جایا کرتے تھے

دید در بغداد یک شیخ فقیر مصحفے در خانۂ پیر ضریر

یعنی ایک درویش بزرگ نے بغداد میں ایک اندھے بوڑھے کے یہاں قرآن شریف دیکھا

گشت ضیفش در تموز پر ز سوز ہر دو زاہد جمع گشتہ چند روز

یعنی یہ درویش اوس کے مہمان تموز گرم میں ہو گئے تھے تو دونوں زاہد چند روز تک جمع رہے یعنی یہ شیخ اون اندھے کے یہاں گرمی کے دنوں میں مہمان ہوئے تھے تب اونھوں نے اون کے یہاں قرآن شریف رکھا ہوا دیکھا

گفت اینجا اے عجب مصحف چراست چونکہ نابیناست این درویش راست

یعنی اوس درویش نے کہا کہ تعجب ہے کہ یہ قرآن شریف یہاں کیوں ہے جبکہ یقیناً یہ درویش نابینا ہے (دیکھئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قرآن شریف کو فضول کوئی نہ رکھتا تھا۔ جب تو ان شیخ کو تعجب ہوا کہ یہ تو ہے اندھا پھر قرآن فضول کیوں رکھا ہے ورنہ اس زمانہ میں تو چاہے عمر بھر کھول کر بھی نہ دیکھے مگر گھر میں رکھی ہونے سے کوئی تعجب نہیں ہوتا اسلئے کہ پڑھنے کی عادت ہی نہیں رہی افسوس صد افسوس)

اندریں اندیشہ تشویشش فزود کہ جز او را نیست اینجا باش و بود

یعنی اس فکر میں اونکو تشویش بڑھ گئی کہ اسجگہ اوسکے تو بود و باش ہی نہیں ہے (کہ یہ کہا جاوے کہ وہ دوسرا آدمی پڑھتا ہوگا پھر کیوں رکھا ہے)

اوست تنہا مصحف آویختہ من نیم گستاخ یا آمیختہ

یعنی یہ تو تنہا ہی ہے اور مصحف لٹکا ہوا ہے اور میں بے تکلف یا ملا جلا نہیں ہوں۔

تا بہ پرسم یا خمش صبرے کنم تا بصبرے بر مرادے بر زنم

یعنی تا کہ پوچھ ہی لوں اور نہ خاموش ہی رہ سکتا ہوں۔ (اب خود فیصلہ کرتے ہیں کہ) میں صبر کرتا ہوں تا کہ صبر کی وجہ سے مراد پر پہونچ جاؤں۔

صبر کرد و بود چندے در حرج کشف شد کالصبر مفتاح الفرج

یعنی اونہوں نے صبر کیا اور چندے تنگی میں رہے تو (اونپر وہ راز جیسا کہ آگے معلوم ہوگا) کھل گیا اسلئے کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

۲۵۴

صبر گنجست اے برادر صبر کن تا شفا یابے تو زیں رنج کہن

یعنی اے بھائی صبر ایک خزانہ ہے تو تم صبر کیا کرو تا کہ اس رنج کہنہ سے تم شفا پاؤ یعنی جسقدر افکار وغیرہ تمکو ہوں گے صبر سے سب حل ہو جائیں گے انشاء اللہ۔

صبر سوئے کشف ہر سر رہبر ست صبر تلخ آمد بر او شکرست

یعنی صبر ہر بھید کے کشف کی طرف رہبر ہے اور صبر خود تلخ ہے مگر اوس کا پھل شیریں ہے اس صبر پر آگے حضرت لقمان علیہ السلام کی حکایت لاتے ہیں کہ اونہوں نے بھی صبر کیا تھا تو اونپر بھی وہ بھید جس کے وہ طالب تھے ظاہر ہو گیا۔

لقمان علیہ السلام کا جسوقت کہ انہوں نے دیکھا کہ داؤد علیہ السلام

لوہے کی کڑیاں بنا رہے ہیں پوچھنے سے صبر کرنا اس سبب سے کہ صبر موجب راحت و فرح ہے

رفت لقمان سوئے داؤدؑ از صفا دید کو مے کرد ز آہن حلقہا

یعنی لقمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے پاس صفا (حاصل کرنے) کے لئے گئے تو دیکھا کہ وہ لوہے کی کڑیاں بنا رہے ہیں۔

جملہ را باہم گرد در مے فگند ز آہن و پولاد آن شاہ بلند

یعنی سب کو ایک دوسرے میں لوہے اور فولاد سے وہ شاہ بلند ڈال رہے تھے

۲۵۵

صنعت زرا د او کم دیدہ بود در عجب مے ماند وسواسش فزود

یعنی زرہ بنانے والے کی صنعت کو لقمان علیہ السلام نے دیکھا نہ تھا تو وہ تعجب میں رہ گئے اور اون کا وسوسہ بڑھا۔

کاین چہ شاید بود واپرسم ازو کہ چہ مے سازی ز حلقہ تو بتو

یعنی کہ اس کا کیا ہوگا میں اون سے پوچھوں کہ تم تو بتو حلقے کیا بنا رہے ہو۔

باز با خود گفت صبر اولےٰ ترست صبر با مقصود زو تر رہبر ست

یعنی پھر اپنے سے کہا کہ صبر زیادہ اولے ہے اور صبر مقصود تک جلدی رہبر ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

چون نہ پرسی زود تر کشفت شود مرغ صبر از جملہ پران تر شود

یعنی اگر تم نہ پوچھو گے تو تمکو جلدی ہی ظاہر ہو جاویگا اسلئے کہ مرغ صبر سب سے زیادہ اُڑنے والا ہوتا ہے۔

ور بپرسی دیر تر حاصل شود سہل از بے صبریت مشکل شود

یعنی اور اگر پوچھو تو وہ دیر میں حاصل ہوگا اور سہل تمہاری بے صبری کی وجہ سے مشکل ہوجاوے گا۔ پوچھنے یا نہ پوچھنے سے مراد صبر کرنا یا صبر کرنا ہے مطلب یہ کہ اگر صبر کروگے تو وہ بات جلدی معلوم ہوگی اور بے صبری سے معلوم ہوتی ہوئی بھی مشکل ہوجاویگی

چونکہ لقمان تن بزد اندر زمان شد تمام از صنعت داؤد آن

یعنی جبکہ لقمان اوسوقت چپ ہورہے تو وہ (زرہ) داؤد علیہ السلام کے بنانے سے پوری ہوگئی۔

۲۵۶

پس زرہ سازید و در پوشید او پیش لقمان حکیم نیکخو

یعنی پھر داؤد علیہ السلام نے زرہ بناکر اوسکو لقمان حکیم نیکخو کے سامنے پہنا۔

گفت این نیکو لباس است اے فتی در مصاف و جنگ دفع زخم را

یعنی داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فتے یہ مصاف اور جنگ میں زخم کے دفع کرنے کے لیے اچھا لباس ہے۔

گفت لقمان صبر نیکو ہمدمے است کو پناہ و دافع ہر جا غمے است

یعنی لقمان نے فرمایا کہ صبر ایک اچھا ہمدم ہے کہ وہ ہر جگہ پناہ اور دافع غم کا بھی

(باقی آئندہ)

المرفوع من حديث ابی بكر
الصديق رضـ عن الديلمی ثم
قال لا يصح وقال ايضا ولا يصح
فی المرفوع من كل هذا
الشئ والمنقول عن الخضر
عليه السلام عن كتاب
موجبات الرحمة وعزائم
المغفرة لابی العباس
احمد بن ابی بكر الرداد
اليمانی المتصوف بسند فيه مجاهيل
مع انقطاعه (فلم يصح) والموقوف
علی الحسن عن الفقيه محمد بن سعيد
الخولانی بسنده والمنقول عن
المشائخ كمحمد بن البابا والمجد
احد القدماء من المصريين
وبعض شيوخ العراق او العجم
وابن صالح ومحمد بن ابی
نصر البخاری اقوالهم
وورد فی فضله فی الاول
فقد حلت عليه
شفاعتی وفی سائرها

ایک مرفوع دیلمی سے وہ ابوبکر صدیق کی
حدیث ہے اوسکو ذکر کرکے کہا ہے کہ
یہ صحیح نہیں اور (علی الاطلاق) یہ بہی کہا ہے
کہ مرفوع کے باب میں ان روایات کے
متعلق کوئی روایت بہی صحیح نہیں دوسری
قسم جو خضر علیہ السلام سے منقول ہے
ابو العباس احمد بن ابی بکر ردادیانی صوفی
کی کتاب موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرۃ
سے ایسی سند سے جسمیں بہت سے
مجہول راوی ہیں اور اسکی ساتھ انقطاع
بہی ہے (پس یہ بہی صحیح نہ ہوئی) تیسری
قسم جو حضرت حسن پر موقوف ہے فقیہ
محمد بن سعید خولانی سے اونکی سند کے
ساتھ چوتھی قسم جو مشائخ سے خود اون کے
اقوال منقول ہیں جیسے محمد بن بابا اور
مجد جو ایک قدیم مصری ہیں اور بعض شیوخ
عراق یا عجم کے اور ابن صالح۔ اور
محمد بن ابی نصر بخاری (یہ چار قسمیں ہوئیں
انمیں سے) قسم اول (یعنی مرفوع) میں تو
اس عمل کی فضیلت میں یہ وارد ہوا ہے
کہ میری شفاعت اوس کے لئے ثابت

۱۱۳

حفظ العین عن الرمد والعمی
ودفع الالم عنہا ہذا ملخص
ما فی المقاصد اما حکم ہذا
العمل فظاہر وہو انہ
ان فعل باعتقاد الثواب الذی
لم یثبت دلیلہ کان بدعۃ
وزیادۃ فی الدین واکثر
من یفعلہ فی زماننا
اعتقادہم کذلک فلا شک
فی کونہ بدعۃ وان
فعل بنیۃ الصحۃ
البدنیۃ فہو
نوع من الطب فیجوز
فی نفسہ لکن
لو افضی الی ایہام
القربۃ کما
ہو المظنون من
العوام فی ہذا
الزمان یمنع
منہ مطلقاً
الحدیث من اہدیت لہ

ہو گی اور باقی روایات میں صرف یہ ہے
کہ اوسکی آنکھیں آشوب اور کوری سے
محفوظ رہیں گی اور اگر درد ہو تو جاتا رہیگا
یہ خلاصہ ہے مقاصد کے مضمون کا باقی
رہا اس کا حکم سو (قواعد شرعیہ سے) ظاہر
ہے وہ یہ کہ اگر یہ عمل باعتقاد ثواب (اور
دین کا کام سمجھکر) کیا جاوے جسکی کوئی
دلیل ثابت نہیں ہوئی تو بدعت اور زیادت
فی الدین ہے (کیونکہ غیر دین کو دین سمجھنے کا یہی
حکم ہے) اور اس زمانہ میں جو لوگ یہ عمل
کرتے ہیں انمیں اکثر کا (عام طور سے) یہی اعتقاد
ہے۔ سو اس کے بدعت ہونے میں کوئی
شک نہیں اور اگر صحت بدنیہ (یعنی حفاظت
چشم) کی نیت سے کیا جاوے۔ وہ ایک
قسم کی طبی تدبیر ہے سو وہ فی نفسہ جائز ہے
(کیونکہ یہ اعتقاد فاسد نہیں) لیکن اگر یہ
سبب ہو جاوے ایہام قربت کا جیسا
عوام زمانہ سے یہی احتمال غالب ہے
تو اس سے مطلقاً (بطور انتظام واجب
کے) منع کیا جاوے گا
حدیث جسکو کوئی ہدیہ دیا جاوے

۱۱۴

هدية وعنده قوم فهم شركاء
فيها عبد بن حميد في
مسنده وعبد الرزاق
والطبراني وابونعيم في الحلية
عن ابن عباس و الطبراني
فقط وكذا اسحق بن
راهويه وابوبكر الشافعي
في الغيلانيات من حديث
الحسن بن علي والعقيلي
من حديث عائشة كلهم به
مرفوعًا فقال العقيلي
انه لا يصح في هذا الباب
عن النبي صلى الله عليه وسلم
شئ وكذا قال البخاري
عقب ايراده له تعليقًا
فقال ويذكر عن ابن
عباس ان جلساءه
شركاءه انه لم يصح انتهى
ولكن هذه العبارة
عن مثله لا يقتضي
البطلان بخلاف فها

اور اسکے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوں وہ سب
اس میں شریک ہیں روایت کیا اسکو
عبد بن حمید نے اپنی مسند میں اور عبد الرزاق
اور طبرانی نے بھی اور ابونعیم نے حلیہ
میں ابن عباس اور انہیں سے صرف
طبرانی نے اور ایسے ہی اسحق بن راہویہ
نے اور ابوبکر شافعی نے غیلانیات
میں حسن بن علی کی حدیث سے اور
عقیلی نے حضرت عائشہ کی حدیث
سے ان سب نے اسی لفظ سے مرفوعًا
اور عقیلی کہتے ہیں کہ اس باب میں
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث
صحت کو نہیں پہونچی اور ایسا ہی بخاری
نے اس حدیث کو تعلیقًا لاکر کہا ہے
یعنی اس طرح کہا ہے کہ ابن عباس سے
ذکر کیا جاتا ہے کہ اس کے ہم مجلس اس کے
شریک ہوں گے (سو) یہ صحت کو نہیں
پہونچا اھ لیکن یہ عبارت (لم یصح) بخاری
جیسے شخص سے حدیث کے بے اصل ہونیکو
مقتضی نہیں (کیونکہ ان کے یہاں صحت
کی سخت شرطیں ہیں) بخلاف اس کے

115

من العقیلی وعلی کل حال فقد قال شیخنا ان الموقوف اصح۔

ف قلت معنی الحدیث اذا کان قصد المھدی تشریک القوم فی الھدیۃ کما ھو الغالب فی ما یؤکل ویشرب ومع ذلک فقد وضعہا بین یدی شیخ المجلس ادبا ویعلم ذلک بالقرائن اما اذا کان قصدہ الاھداء الی معین کما ھو الغالب فی نحو الثیاب والنقد فلا وجہ لشرکۃ غیرہ معہ فان الملک من احکام التملیک فاذا کان التملیک خاصا کان الملک خاصا فافھم نعم لو فرقہا علی اھل المجلس جمیعھم کان اقرب الی المروۃ وآداب الصحبۃ کما ھو المعتاد للقوم فی اکثر الاحوال الا لمقتض قوی۔

۱۱۶

کہ عقیلی (لم یصح) کہیں (کہ وہ مقتضی بے اصل ہونیکو ہوگا) اور بہرحال ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ حدیث موقوف زیادہ صحیح ہے۔

ف میں کہتا ہوں کہ حدیث کا یہ مضمون اوس صورت میں ہے جبکہ ہدیہ دینے والے کا مقصود سب لوگوں کے شریک کرنے کا ہو جیسا کہانے پینے کی چیزوں میں غالب ہے لیکن باوجود اس کے وہ ہدیہ ادب کی وجہ سے صدر مجلس کے سامنے رکھدیا اور یہ امر قرائن سے معلوم ہوجاتا ہے باقی جب اوس کا مقصود خاص ہی شخص کے دینے کا ہو جیسے نقد و پارچہ وغیرہ میں غالب ہے اوسوقت دوسروں کے شریک کرنیکی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ملک احکام تملیک سے ہے جب تملیک خاص ہوگی ملک بہی خاص ہوگی خوب سمجھ لو البتہ اگر اس صورت میں بہی سب اہل مجلس پر تقسیم کردے تو یہ مروت اور حقوق صحبت سے زیادہ قریب ہے جیسا کہ ان بزرگونکی اکثر احوال میں یہی عادت ہے بجز اس صورت کے کہ کوئی امر قوی اس کے خلاف کو مقتضی ہو۔

(باقی آئندہ)

ایک مرتبہ وہ ریل میں انٹر میں سفر کر رہے تھے اور برابر کے درجے میں چند نوجوان آکر بیٹھے جو وضع سے انگریزی طالب علم معلوم ہوتے تھے اُن کے قبل سے ایک معمّر شخص سوار تھے جو صورت سے مولوی معلوم ہوتے تھے اور کسی ضرورت سے اس وقت اُتر گئے تھے اُن نوجوانوں نے اُن بیچارے کا اسباب منتشر کر کے اپنا سامان رکھدیا وہ مولوی صاحب جو آئے اور معلوم ہوا تو اُن کو بہت ملامت کی کہ آپ لوگوں کو اس تحکم کا کیا حق تھا غرض یہ سب شرمندہ ہوئے اور براہ شرارت یہ چاہا کہ ان مولوی صاحب کو بھی کسی بات میں شرمندہ کریں اتنے میں مولوی صاحب نماز پڑھنے لگے تو اونکو ایک بات ہاتھ آئی بعد فراغ انمیں سے بعض نے اُن مولوی صاحب سے کہا کہ کیا ہم آپ سے کچھ دریافت کر سکتے ہیں آجکل کی تہذیب میں یہ بھی لازم ہے کہ اگر کچھ پوچھے تو اول اجازت لے لے چنانچہ اُن مولوی صاحب نے اجازت دی اسپر اُن لڑکوں نے یہ سوال کیا کہ مولوی صاحب نماز فرض ہے مولوی صاحب نے کہا کہ ہاں کہنے لگے کے وقت کی فرض ہے مولوی صاحب نے کہا پانچ وقت کی کہنے لگے کہ سب پر پانچ وقت کی فرض ہے مولوی صاحب نے کہا ہاں ہر مکلف پر پانچ وقت کی فرض ہے کہنے لگے کہ سب جگہ فرض ہے مولوی صاحب نے کہا ہاں اسپر کہنے لگے۔ کہ کیوں جس مقام میں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہے وہاں بھی نماز پانچ ہی وقت فرض ہے اگر یہ ہے تو سال بھر میں پانچ ہی نماز فرض ہوئیں مولوی صاحب نے ایک نہایت دانائی کا جواب دیا کہ تم لوگ وہاں سے آرہے ہو یا وہاں جانیکا قصد ہے کہنے لگے کہ صاحب! نہ آرہے ہیں نہ جانیکا قصد ہے مولوی صاحب نے فرمایا کہ جب دونوں باتیں نہیں تو یہ سوال قبل از وقت ہے جب اسکی ضرورت پڑے گی اس وقت پوچھنا لیکن اُن شریروں نے اس جواب کی قدر نہ کی بلکہ سب ہنس پڑے اور اُن مولوی صاحب کو شرمندہ کرنا چاہا۔ اتفاق سے اُن میں ایک شخص پختہ عمر کے بھی بیٹھے تھے جو وضع سے کوئی معزز اہلکار معلوم ہوتے تھے وہ بھی ہنسنے میں شریک تھے مولانا احمد حسن صاحب کو

۱۴۱

اُن صاحب پر نہایت غصہ آیا کہ یہ تو لڑکا بھی نہیں ان کو کیا شامت سوار ہوئی
غرض کوئی اسٹیشن آیا مولوی صاحب اپنی درجہ سے اُن کے درجہ میں پہونچے
مگر وہ لڑکے تو اُتر گئے اور وہ صاحب موجود رہے اونہوں نے نماز کے لئے
وضو کیا تب تو مولوی صاحب کو زیادہ غصہ آیا کہ ماشاء اللہ تعالیٰ نمازی ہو کر انکی
یہ حالت ہے مولوی صاحب نے اُن سے عمدہ اور فرائض عمدہ دریافت کر کے
پوچھا کہ آپکے ذمہ دن رات میں کے گھنٹہ کام کرنا ہے اونہوں نے مثلاً چھ گھنٹہ
بتلایا مولانا نے فرمایا کہ اگر ایسے مقام پر جہاں چھ مہینے کا دن چھ مہینے کی
رات ہوتی ہے. گورنمنٹ کی حکومت ہوجائے اور آپ کی وہاں بدلی ہو جاوے
تو کیا وہاں بھی چھ گھنٹہ کام کرنا ہوگا تو سال بھر میں چھ گھنٹہ کام کرنا پڑا اس کا
حساب کس طرح ہوگا کہنے لگے کہ اندازہ کرلیں گے مولوی صاحب نے فرمایا کہ افسوس
دنیوی حکومت کے قانون پر جو یہ اشکال وارد ہوا اسکی توجیہ تو اس طرح آسانی
سے ہوسکتی ہے اور یہی توجیہ اس اشکال میں نہ ہوسکی بلکہ اسپر تمسخر کرتے
ہو شرم نہیں آتی بہت شرمندہ ہوئے اور توبہ کی (وعظ ایضاً صفحہ ۲۰ سطر ۲)

(۸۶) **حکایت مشتمل بر مثال**- ایک صاحب کہنے لگے کہ شب قدر میں
فضیلت ہے تو کہاں کی شب قدر میں ہندوستان کی یا لندن کی کیونکہ غروب
ہر جگہ کا مختلف ہے مولانا احمد حسن صاحبؒ نے خوب جواب فرمایا کہ بعض مواسم
میں کچہری دس بجے ہوتی ہے تو کہاں کے دس بجے ہوتی ہے تو کہاں کے
دس بجے مراد ہوتے ہیں ہندوستان کے یا لندن کے جو جواب اس کا ہے
وہی اس کا ہے کہ ہر جگہ کی شب قدر میں فضیلت ہے خداتعالیٰ کے یہاں کیا
کمی ہے جب یہاں غروب ہو یہاں کے لئے جب وہاں غروب ہو وہاں کے
لئے (وعظ ایضاً صفحہ ۲۱ سطر ۱۷)

(۸۷) **حکایت**- ایک صاحب کہنے لگے کہ اگر سود کو حلال نہ سمجھیں تو
قوم ترقی نہیں کرسکتی- کیونکہ حرام سمجھنے کی صورت میں کم لوگ سود لیں گے دینے

کہا کہ اول تو آپ کو دوسروں کی کیا فکر دوسرے حلال کہہ کر بھی تمام قوم ترقی نہیں کر سکتی کیونکہ جو مسلمان قوت ایمان سے سود کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ وہ تمہارے یا مولویوں کے کہدینے سے بھی کبھی نہ لیں گے بلکہ یوں کہیں گے کہ علماء بگڑ گئے تو حلال کہہ کر بھی سود خواروں کی تعداد دس پانچ سے زیادہ نہ ہوگی (وعظ ایضاً صد ۲۴ سطر ۱۲)

(۸۸) **حکایت** ایک صاحب نے قربانی پر اعتراض کیا کہ اس سے کیا فائدہ کہ ذبح کر کے کھیتوں میں دبا دیا۔ اور وجہ اس فساد کی یہ ہے کہ اپنے خیال میں احکام کا ایک مبنی تراش لیا ہے مثلاً قربانی کا مبنی یہ تراش لیا ہے کہ مساکین کو نفع ہو اور چونکہ ذبح کر کے کھیتوں میں دبانے سے یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا اسلیئے اعتراض کیا جاتا ہے اس اعتراض کا جواب صرف اسقدر کافی ہے ؎ سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست (وعظ ایضاً صد ۲۴ سطر ۱۶)

(۸۹) **حکایت** میں نے ایک استفتاء دیکھا کہ اسمیں ایک مولوی صاحب نے ساس کو حلال کر دیا تھا اور کیونکہ چالاکی سے یعنی یہ لکھا کہ اس شخص کی بیوی بوجہ جہالت کلمات کفر و شرک میں ہمیشہ سے مبتلا ہے اس لیئے اس کا نکاح اس مسلمان سے صحیح نہیں ہوا اور جب نکاح نہیں ہوا تو ساس۔ ساس نہ ہوئی اور حرمت مصاہرت حنفیہ کا مذہب ہے ہم پر حجۃ نہیں۔ پس بیوی کو چھوڑ کر ساس سے نکاح درست ہے خوب کہا ہے ؎

بدگہر را علم و فن آموختن — دادن تیغ ست دست راہزن

تو اگر اس مذاق کے لوگ مقتدا بنیں گے تو کیا کچھ خرابیاں ہونگی (وعظ ایضاً صد ۲۶ سطر ۳)

(۹۰) **حکایت** ایک حبشی وحشی ہندوستان میں آیا تھا کسی حلوائی کی دکان پر حلوا رکھا دیکھا قیمت پاس تھی نہیں آپ اسمیں سے بہت سا اٹھا کر کھا گئے حلوائی نے حاکم شہر کو اطلاع دی حاکم نے یہ سزا مقرر کی کہ ان کا منہ کالا کر کے جوتیوں کا ہار گلے میں ڈالا جائے اور گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں تشہیر کیا جاوے اور بہت سے لڑکے ساتھ کر دیئے جاویں کہ وہ ڈھول بجاتے پیچھے پیچھے چلیں چنانچہ ایسا کیا گیا جب

۳۴

یہ حلوا خور صاحب اپنے گھر واپس گئے تو وہاں کے لوگوں نے پوچھا کہ آغا ہندوستان چگونہ ملک است کہنے لگے کہ ہندوستان خوب ملک ست۔ حلوا خوردن مفت است فوج طفلاں مفت ست۔ سواری خر مفت ست۔ ڈم ڈم مفت ست۔ پس دنیا داروں کا خوب ملک ست کہنا ایسا ہے جیسے اُس آغا نے ہندوستان کو خوب ملک ست کہا اور دنیا کے حشم و خدم پر ناز کرنا ایسا ہی ہے جیسے اس نے سواری خر اور فوج طفلاں پر ناز کیا تھا۔

(۹۱) مثال ۔ ہماری مثال عدم احاطہ حقیقت میں ایسی ہے جیسے کہ ایک پانی کا کیڑا انسان کی مصنوعات ریل اور تار۔ وغیرہ کو دیکھے اور اونکی ناتمام حقیقت دریافت کرکے اندازہ کرے کہ جس نے یہ بنایا ہوگا وہ کس قسم کا ہوگا کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ ہمارے ہاتھ پاؤں کی حقیقت کو دریافت کر سکتا ہے خدا تعالیٰ اس مثال سے بھی بالا تر ہیں۔ لیکن تقریب فہم کے لئے اس مثال کے ضمن میں اس کو ظاہر کیا گیا ہے کسی نے خوب کہا ہے ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
و زہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

(وعظ طریق القرب دعوات عبدیت ص۵ سلا)

(۹۲) مثال ۔ آپ برائے طعن مولویوں سے کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپاہج ہو جاتے ہیں صاحبو! بیشک اپاہج ہیں اور کیوں نہوں جب خدائے تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان میں طاقت ہی نہیں کہ دوسرے کام کریں مگر طاقت سے مراد شرعی طاقت ہے کہ ان کو اجازت نہیں کہ یہ دوسرے کام میں لگیں۔ اس مسئلہ کو ایک مثال دیکر زیادہ واضح کرتا ہوں ہمارے اطراف میں ایک صاحب نے جو کہ سرکاری ملازم تھے ایک مطبع کر لیا شدہ شدہ حکام کو اسکی خبر ہوئی تو اون کے نام ایک پروانہ آیا کہ یا تو نوکری سے استعفا دیدو ورنہ مطبع بند کردو آخر اس حکم کی کیا وجہ۔ وجہ یہی ہے کہ مطبع کرنے کی صورت میں وہ نوکری کا کام

۴۴

(باقی آئندہ)

(ح) کہ یا نوح قد جادلتنا فاکثرت جدالنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین یعنے اے نوح تمنے ہم سے جھگڑا کیا اور اوسکو بہت بڑھا دیا اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ ناجس سے ہمیں ڈراتے ہو۔ تو اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السّلام نے اس کے سوا کچھ نہیں فرمایا۔ قال انما یأتیکم بہ اللہ ان شاء وما انتم بمعجزین یعنے عذاب کا لانا حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگر چاہیگا لائیگا اور تم کچھ نہیں کر سکتے اس قصہ میں معجزہ کا ذکر نہیں ہم کو صرف یہ دکھانا ہے کہ حق تعالیٰ کے افعال میں انبیاء علیہم السلام کو بھی مجال دم زدن نہیں معجزہ کے متعلق لیجئے سورۂ ابراہیم میں بعض انبیاء علیہم السّلام کا قصہ مذکور ہے۔ انہوں نے قوم کو تبلیغ کی اور دلائل سے اپنی حقانیت ثابت کر دی قوم نے کہا ان انتم الا بشر مثلنا تریدون ان تصدونا عما کان یعبد اباؤنا فاتونا بسلطن مبین یعنے تم بھی ہم جیسے آدمی ہی ہو نا چاہتے ہو کہ ہمکو ہمارے آباء کے معبودوں سے پھیر دو تو کوئی کھلا ہوا معجزہ دکھاؤ تو حضرات انبیاء علیہم السّلام فرماتے ہیں وما کان لنا ان ناتیکم بسلطن الا باذن اللہ یعنے ہم سے نہیں ہو سکتا کہ کوئی دلیل (معجزہ) تمکو دکھادیں بلا حکم حق تعالیٰ کے اس سے صاف ثابت ہے کہ معجزہ نبی کا بھی اختیاری فعل نہیں۔ اسکی تصریح خود حق تعالیٰ نے سورہ رعد میں صاف الفاظ میں فرمادی ہے وما کان لرسول ان یأتی بآیۃ الا باذن اللہ یعنے کسی رسول سے یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی معجزہ دکھا بلا اذن حق تعالیٰ کے سمجھ میں آگیا ہو گا کہ نبی کا کام صرف تبلیغ ہے یعنی احکام الٰہی کا پہونچا دینا نہ وہ عذاب لا سکتا ہے اور نہ وہ کوئی معجزہ بلا اذن حق تعالیٰ کے دکھا سکتا ہے نہ معجزہ سے علاوہ اوس کے کام لے سکتا ہے جس کے لئے حق تعالیٰ نے اجازت دی ہو۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو معجزہ عصا عطا ہوا تھا جو اونکی حفاظت کرتا اور سوتے میں بھی کوئی آپ کو گزند نہیں پہونچا سکتا تھا حالانکہ فرعون آپکی جان کا دشمن تھا جس نے کہا تھا ذرونی اقتل موسیٰ ولیدع ربہ یعنے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کیے دیتا ہوں اس کے جواب میں آپنے فرمایا انی عذت بربی

۲۳۳

(ح) ورہکو من کل متکبر لایؤمن بیوم الحساب یعنے میں حق تعالیٰ کی پناہ میں ہوں ہر متکبر کی شر سے۔ یہ لفظ کسقدر سخت ہے اس سے فرعون کو کیا کچہ طیش آیا ہوگا لیکن کر کچہ بہی نہیں سکا آپکی حفاظت کا ذریعہ وہی عصا تہا اگر آپ اوسکو حکم دیتے تو فرعون کو نگل جاتا جیسے ساحروں کے جادو کو نگل گیا۔ مگر ایسا نہیں کیا اور مدت دراز تک فرعون کی ایذائیں اپنی قوم پر دیکھتے رہے اور صبر ہی کرتے رہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی کا کام صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے حکم سے کرے جو کچہ کرے۔

(۳) انبیاء علیہم السلام سے کفار معجزات کا مطالبہ کس غرض سے کرتے تہے اور کس کس قسم کے معجزات کا مطالبہ کرتے تہے اس کا جواب ہم قرآن ہی سے دینا چاہتے ہیں تاکہ کوئی صاحب یہ نہ کہدیں کہ تاریخ کا کیا اعتبار ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف رسول بناکر بہیجا گیا تو اور گفتگو کے بعد اوس نے کہا لئن اتخذت الٰہا غیری لاجعلنک من المسجونین یعنے میرے سوا کسی اور کو تم خدا کہوگے تو میں تمکو جیلخانہ بہیجدونگا قال اولو جئتک بشئ مبین یعنے فرمایا کیا اگرچہ میں تیرے سامنے کوئی کہلی ہوئی دلیل پیش کروں قال فات بہ ان کنت من الصادقین۔ یعنی کہا فرعون نے کہ لاؤ وہ دلیل اگر تم سچے ہو اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ فرعون ایمان لانے کو تیار تہا اگر معجزہ دکہایا جاتا لیکن یہ غلط ہے کیونکہ جب معجزہ عصا اور ید بیضا دکہایا گیا تو فرعون اور اوسکی قوم سب کے سب کہنے لگے ان ہذا لساحر علیم یرید ان یخرجکم من ارضکم بسحرہ یعنے یہ بڑا جادوگر ہے چاہتا ہے کہ تمکو تمہارے ملک سے اس جادو کے ذریعہ سے نکال دے اور خود مالک بن جاوے۔ حتیٰ کہ پہر جادوگروں سے مقابلہ کرایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام غالب رہے اور جادوگر ایمان لے آئے مگر فرعون اور اوس کے متبعین جب بہی ایمان نہ لائے جن کی نسبت ارشاد ہے وجحدوا بہا واستیقنتہا انفسہم یعنے انکار کیا اونہوں نے معجزات کا حالانکہ اون کے دلوں نے یقین کرلیا تہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرعون کو تحقیق حق منظور نہ تہی۔ معجزہ کا مطالبہ اور یہ کہنا فات بہا ان کنت من الصادقین برائے گفتن ہی تہا۔ علیٰ ہذا قوم ثمود نے

۲۳۴

ح) اپنے رسول سے معجزہ کا مطالبہ کیا اور حق تعالیٰ نے معجزہ ناقہ اونکو دکھا دیا مگر ایمان نہ لائے یہ قصہ قرآن میں جا بجا مذکور ہے سورہ شعراء میں ہے قالوا انما انت من المسحرین ما انت الا بشر مثلنا فأت بآیۃ ان کنت من الصدقین قال ھذہ ناقۃ لھا شرب ولکم شرب یوم معلوم ولا تمسوھا بسوء فیأخذکم عذاب یوم عظیم فعقروھا فاصبحوا نادمین فاخذھم العذاب۔ ترجمہ کہا قوم ثمود نے اپنے رسول سے نہیں ہو تم مگر جادو میں پھنسے ہوئے اور نہیں ہو تم مگر ایک انسان ہم جیسے پس لاؤ کوئی معجزہ اگر تم سچے ہو۔ اس سے بھی ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ کا مطالبہ سچائی ثابت ہونے کے لئے کیا گیا اور سچے کی تصدیق اور اتباع امر طبعی ہے) فرمایا اون کے رسول نے معجزہ یہ ہے کہ یہ اونٹنی ہے (جو خلاف طریق متعارف پتھر میں سے پیدا ہوئی) ایک دن کا پانی اس کا ہوگا اور ایک دن کا تمہارا اور اسکو کسی قسم کی تکلیف مت دینا کہ تم پر عذاب آجاوے۔ انہوں نے اوسکو مارڈالا اور اونکو ندامت اٹھانی پڑی اور اونکو عذاب نے پکڑ لیا۔ اس قصہ سے بھی صاف ثابت ہے کہ معجزہ کے مطالبہ سے تحقیق حق مقصود نہیں تھی اور ان کنت من الصدقین کہنا برائے گفتن ہی تھا علی ہذا دیگر انبیاء علیہم السلام کے قصوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ معجزات کا مطالبہ تحقیق حق کے لئے نہیں ہوتا تھا صرف رسول کو دق کرنے کے لئے یا بطریق استہزاء ہوتا تھا۔ چنانچہ فرعون کی نسبت وارد ہے فلما جاءھم بآیتنا اذا ھم منھا یضحکون یعنے جب موسےٰ علیہ السلام نے اونکو معجزات دکھائے تو وہ اونکے ساتھ مسخراپن کرنے لگے۔ اب مطالبات سنیئے قال اللہ تعالیٰ۔ واذ قلتم یموسےٰ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جھرۃ فاخذتکم الصعقۃ وانتم تنظرون ترجمہ اے بنی اسرائیل یاد کرو اوس وقت کو جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم تم پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں۔ پس پکڑ لیا تمکو کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ مطالبہ فرعونیوں نے نہیں کیا تھا جو صراحۃً حضرت موسےٰ علیہ السلام کے مخالف تھے بلکہ بنی اسرائیل کا

۲۳۵

ح) مطالبہ تہا جو حضرت موسےٰ علیہ السلام کے ساتہ تہے اور اون ہی کی قوم کہلاتے تہے تا بکفار چہ رسد۔

وقال اللہ تعالیٰ لولا القی علیہ اسورۃ من ذہب اوجاء معہ الملئکۃ مقترنین یعنے فرعون نے کہا یہ (موسے علیہ السلام) نبی ہیں تو سونے کے کنگن ان کے پاس کیوں نہیں ہیں یا فرشتے پرے کے پرے ان کے ساتہ کیوں نہیں آئے وقال تعالیٰ فی قصۃ عاد وثمود قالوا لوشاء ربنا لانزل ملئکۃ۔ فانا بما ارسلتم بہ کفرون۔ یعنے عاد وثمود نے اپنے رسولوں سے کہا کہ اگر ہمارے پروردگار کو ہمارے پاس پیغام بہیجنا تہا تو فرشتوں کو بہیجدیتا۔ لہذا ہم تمہاری رسالت کو نہیں مانتے۔ وقال تعالیٰ فی قصۃ اہل مدین فاسقط علینا کسفا من السماء۔ یعنے حضرت شعیب علیہ السلام سے اون کی قوم نے کہا کہ آسمان کا ایک ٹکڑا تو ہمارے اوپر گرا دیجئے اگر آپ سچے ہیں۔

اسی طرح ہر ایک قوم نے اپنے نبی سے ایسے ہی مطالبہ کیئے جنکو نہ نبوت کے ثبوت میں کچہہ دخل ہے نہ اون کا مقصود اون سے تحقیق تہی۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہی ایسے ہی لغو مطالبات کیے گئے مثلاً لولا انزل علیہ کنز اوجاء معہ ملک۔ یعنے کیوں نہیں اتار اگیا آپ پر ایک خزانہ یا کیوں نہیں آیا آپ کے ساتہہ فرشتہ۔ وقال تعالیٰ یسئلک اہل الکتاب ان تنزل علیہم کتبا من السماء فقد سئلوا موسیٰ اکبر من ذلک فقالوا ارنا اللہ جہرۃ فاخذتہم الصعقۃ بظلمہم۔ یعنی مطالبہ کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ آماریں آپ اون پر ایک کتاب (بہیئت مجموعی) آسمان سے پس تحقیق مطالبہ کیا تہا انہوں نے حضرت موسےٰ علیہ السلام سے اس سے بہی بڑا کہ کہا تہا کہ ہمیں حق تعالیٰ کو کہلم کہلا دکہا دو بس فوراً آمار لیا اون کو کڑک نے اس جرم کی وجہ سے۔ اور وقالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا الآیۃ جس کا حاصل یہ ہے کہ کہا کفار نے کہ نہیں ایمان لائیں گے ہم آپ پر یہاں تک کہ آپ جاری کردیں ہمارے سامنے

۲۳۶

ع سورہ زخرف ۱۲ عہ سورہ ہود ۱۲ عہ سورہ مائدہ ۱۲ عہ سورہ بنی اسرائیل ۱۲

اسکی خبر نہ دینا۔ اولاد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے جسکو عبداللہ بن احمد نے زوائد میں حسن بن زید سے نقل کیا ہے کہ زید بن حسن (مثنیٰ) کہتے تھے مجھ سے میرے والد نے بیان کیا وہ اپنے والد (حضرت حسن) سے وہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے تھے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ اتنے میں ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) تشریف لائے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے خطاب کرکے) فرمایا کہ اے علیؓ! یہ دونوں انبیاء اور مرسلین کے بعد جملہ اہل جنت کے بوڑھوں کے اور جوانوں کے سردار ہیں اور اولاد حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) نے بھی اسکو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے جسے ترمذی نے زہری سے اُنھوں نے علی بن حسین (زین العابدین) سے انھوں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت کی ہے آپ فرماتے تھے کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا کہ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) سامنے سے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں پیران اہل جنت کے سردار ہیں اگلوں کے بھی اور پچھلوں کے بھی بجز انبیاء و مرسلین کے اے علیؓ! تم اسکی خبر ان کو نہ دینا۔

اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موافقت کی ہے چنانچہ ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کی شان میں فرمایا ہے کہ دونوں اہل جنت کے اگلے اور پچھلے لوگوں میں بوڑھوں کے سردار ہیں اے علیؓ! تم ان دونوں کو اسکی خبر نہ کرنا اور ابن ماجہ نے ابو جحیفہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بجز انبیاء و مرسلین کے جنت کے سب اگلے اور پچھلوں میں بوڑھوں کے سردار ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) ہیں

اور اس مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث یہ ہے کہ اس امت کے سب لوگوں سے بہتر ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) ہیں اس حدیث کو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ[1]

[1] حضرت علی مرتضیٰؓ سے یہ قول اسّی راویوں نے روایت کیا ہے اور ہر راوی سے متعدد سندیں

لوگوں نے روایت کیا ہے منجملہ اون کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کی روایت ہے جسکو امام بخاری اور ابو داؤد بروایت سفیان ثوری جامع بن راشد سے نقل کرتے ہیں کہ آپ فرماتے ہیں ہم سے ابو یعلیٰ نے محمد بن حنفیہ سے روایت کرکے بیان کیا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے اپنے والد (حضرت علی) سے دریافت کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہتر کون ہے آپنے فرمایا ابوبکر پھر میں نے دریافت کیا کہ ان کے بعد کون ہے؟ فرمایا عمر (رضی اللہ عنہ) پھر میں نے خوف کیا کہ اس کے بعد عثمان کو ذکر نہ کریں لہذا میں نے کہا کہ پھر ان دونوں کے بعد آپ ہیں فرمایا نہیں میں تو مسلمانوں میں سے ایک شخص ہوں اور منجملہ ان کے عبد اللہ بن مسلمہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جسکو ابن ماجہ نے عبد اللہ بن مسلمہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے۔ میں نے

(بقیہ حاشیہ صد ۱۵۹) چلی ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ اپنی کتاب ازالۃ الخفا کی مقصد اول کی آٹھویں فصل میں اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنہ میں ان کو ارقام فرمایا ہے منجملہ ان کثیر التعداد اسانید کے صرف تیرہ سندیں اس مقام میں ذکر کی گئی ہیں اس طرح کہ سات راوی حضرت علی مرتضیٰ سے اس کے ناقل اور ان میں دو راویوں سے چار چار شاخیں چلیں۔ پوری کیفیت شجرہ ذیل سے واضح ہے۔

۱۶۰
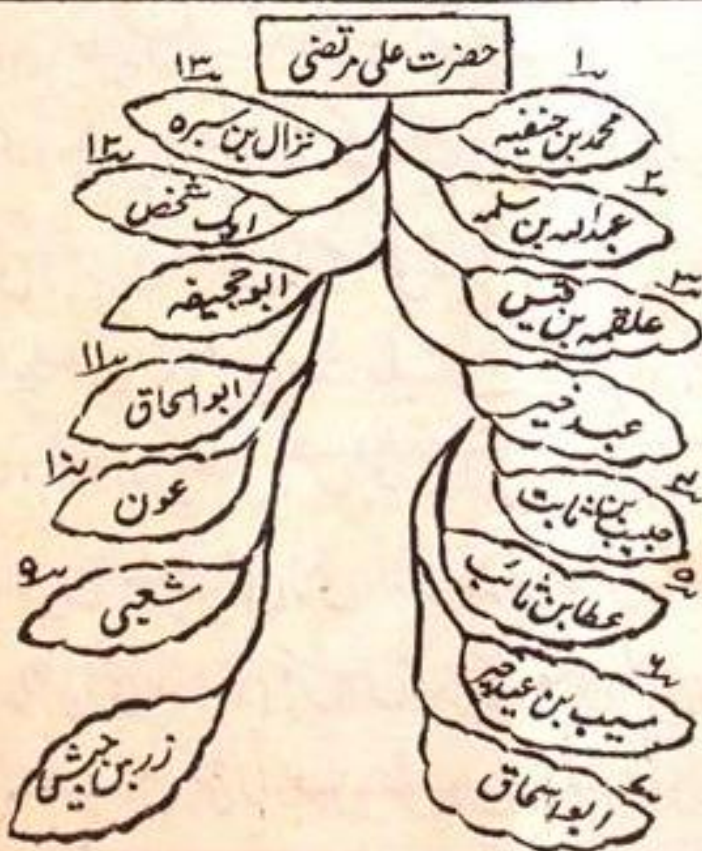
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ فرماتے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر ابوبکر ہیں اور ابوبکر کے بعد سب سے بہتر عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں اور منجملہ ان کے علقمہ بن قیس نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی ہے جسکو امام احمد نے نقل کیا ہے اور منجملہ ان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم بردار نے حضرت علی اللہ عنہ سے روایت کی ہے عبد خیر سے متعدد راویوں نے اسکو نقل کیا ہے چنانچہ حبیب ابن ابی ثابت نے عبد خیر سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ آپ منبر پر فرماتے تھے۔ اے لوگو! کیا میں تم ہیں اس شخص کی جو امت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر ہے نہ اطلاع دوں پھر انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ذکر کیا پھر فرمایا کیا میں دوسرے شخص کو بھی نہ بتادوں جو آپ کے بعد سب سے بہتر ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ذکر کیا پھر فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو تمہیں تیسرے[1] شخص کے نام سے بھی آگاہ کردوں یہ فرما کر آپ نے سکوت کیا آپکے سکوت کرنے سے ہم لوگوں نے سمجھا کہ آپ اپنے کو مراد لیتے ہیں مگر اپنی زبان سے کہنا پسند نہیں کرتے سعید کہتے ہیں کہ میں نے عبد خیر سے پوچھا کہ کیا خود تم نے حضرت علی کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے انھوں نے کہا کہ ہاں! برب کعبہ میں نے سُنا ہے اور اگر نہ سنا ہو تو (خدا کرے) میرے یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اور عطار بن سائب نے عبد خیر سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہترین امت سے آگاہ نہ کر دوں (سنو وہ) ابوبکر ہیں اور بہترین امت ابوبکر کے بعد عمر ہیں۔ پھر اللہ بہترین امت جسے چاہے بنائے نیز مسیب بن عبد خیر سے مروی ہے وہ اپنے والد

[1] یہ تیسرے شخص جن کا نام نہ بتایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ حسن رضی اللہ عنہ کی روایات سے مروی ہے کہ اگر حضرت علی تیسرے شخص کا نام بتاتے تو حضرت عثمان کا نام بتاتے غالبًا نام نہ بتانے کا سبب یہ ہو کہ حضرت علی کے لشکر میں بہت سے وہ بلوائی شریک تھے جو حضرت عثمان پر بغاوت کر چکے تھے حضرت عثمان کے فضائل سُنکر وہ کچھ فتنہ برپا کرتے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم ۱۲۔

۱۶۱

سے روایت کرتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر ہم لوگوں میں فرمایا کہ اس امت میں سب سے بہتر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور ہم نے تو ان کے بعد بہت سے نئے کام کئے ہیں اللہ جو چاہے ان کے متعلق حکم دے نیز ابو اسحٰق نے عبد خیر سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس امت میں نبیؐ کے بعد سب سے بہتر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور منجملہ اون کے ابو جحیفہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ابو جحیفہ سے متعدد راویوں نے اسکو نقل کیا ہے چنانچہ ابن ابی النجود سے مروی ہے وہ زر بن جبیش سے وہ ابو جحیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا آپ فرماتے تھے کیا میں تمہیں اس شخص سے آگاہ نہ کردوں جو امت میں نبیؐ کے بعد سب سے بہتر ہو سنو وہ ابوبکرؓ ہیں پھر فرمایا کیا میں تمہیں اُس شخص سے آگاہ نہ کردوں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد بہترین امت ہو سنو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں نیز امام شعبی سے روایت ہے کہ مجھ سے ابو جحیفہ نے جن کا نام حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہب خیر رکھا تھا بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا اے ابو جحیفہ کیا میں تمہیں ایسے شخص سے آگاہ نہ کردں جو امت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہے میں نے کہا ضرور آگاہ کیجئے ابو جحیفہ کہتے ہیں مجھے اس کا گمان بھی نہ تھا کہ کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہوگا مگر میرے گمان کے خلاف انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور ابوبکرؓ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان دونوں کے بعد ایک تیسرا شخص ہے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس تیسرے شخص کا نام نہیں بتایا۔ نیز ابو اسحاق ابو جحیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس امت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر ابوبکرؓ اور اُن کے بعد عمرؓ ہیں۔ اور اگر میں چاہوں تمہیں تیسرے شخص کے نام سے آگاہ کردوں عون بن ابی جحیفہ کہتے ہیں کہ میرے والد ابو جحیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپاہیوں میں تھے۔

۱۶۲

(باقی آئندہ)

(حکیم الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ کی تازہ تالیف)

خطبات الاحکام

اس میں جمعہ کے پچاس خطبہ ہیں تاکہ سال بھر تک ہر جمعہ کو نیا خطبہ پڑھا جاسکے اسکے علاوہ عیدین و نکاح
استسقاء کے بھی خطبے درج ہیں اور سب خطبے نہایت سلیس ہیں اور باوجود جامع ہونیکے نہایت مختصر ہیں موجودہ
خطبوں میں محض ترغیبی مضامین ہیں حالانکہ ضرورت احکام کی بھی ہے اسواسطے ان خطبوں میں خاص
اہتمام کے ساتھ ترغیب و ترہیب کے علاوہ ضروری احکام بھی بیان کئے ہیں مثلاً علم کی فضیلت اور ضرورت عقائد کی
درستی پاکی کی فضیلت۔ نماز کی تاکید اور فضیلت۔ قرآن شریف کا پڑھانا اور اسپر عمل کرنا ذکر اللہ اور
دعا کی فضیلت۔ نوافل کی فضیلت۔ کھانے پینے میں اعتدال کا حکم۔ نکاح کے حقوق نسب ہمسایہ یتیم
حقوق عام و خاص خلوت۔ سفر کے آداب۔ نیک کام کا امر کرنا اور برے کام کا روکنا۔ آداب المعاشرت باطن
کی اصلاح تہذیب اخلاق شکم اور شرمگاہ کی حفاظت زبان کی حفاظت۔ مذمت غصہ کینہ حسد۔ مذمت
دنیا بخل اور مال کی محبت حب جاہ اور ریاکاری کی برائی۔ تکبر اور خود پسندی کی مذمت۔ دہوکہ کھانیکی مذمت توبہ
کی فضیلت اور ضرورت صبر اور شکر کی فضیلت۔ خوف و رجا۔ فقر و زہد۔ توحید اور توکل محبت اور شوق اور
انس اور رضا۔ اخلاص اور صدق۔ مراقبہ اور محاسبہ تفکر اور سوچنا۔ موت اور بعد موت کا ذکر۔ یوم عاشورہ
کے متعلق ہدایتیں صفر کے متعلق و ربیع الاول و ربیع الثانی کی رسوم۔ ماہ رجب کے متعلق ہدایات ماہ
شعبان کے احکام ماہ رمضان کی فضیلت روزہ کی فضیلت تراویح کی فضیلت شب قدر اور اعتکاف
کی فضیلت۔ عید الفطر کے احکام حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ۔ ذی الحجہ کے احکام۔ عید الفطر کی فضیلت نیز
عید الضحیٰ استسقاء کی نماز منجملہ اور خوبیوں کے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اسمیں تمام احکام قرآن و حدیث ہی سے ثابت کئے
ہیں اور چونکہ خطبہ عربی زبان میں ہونا ضروری ہے اور اس کے ساتھ غیر عربی میں مضمون بیان کرنا خلاف سنت ہے
اسواسطے خطبہ تو محض عربی ہی میں لکھا ہے مگر عوام کے مطالعہ کیواسطے اسکی آیتوں اور حدیثوں کا ترجمہ بھی
آخر میں شامل کردیا گیا ہے۔ اگر اسکو نماز کے بعد وعظ کی جگہ سنا دیا جاوے تب بھی مفید ہوگا قیمت عام عہ خاص ۱۲/

ملنے کا پتہ۔ محمد عثمان تاجر کتب دریبہ کلاں دہلی

حکیم الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ کی کمیاب مواعظ کا نیا رسالہ

الابقاء

ہزار ہزار شکر ہے کہ خداوند عالم نے اِس زمانہ پرفتن میں عالی جناب فیض مآب عمدۃ العارفین زبدۃ الکاملین جامع شریعت و طریقت واقف اسرار حقیقت و معرفت حضرت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب ظلہم العالی کو اصلاح امت کے واسطے پیدا فرما کر مسلمانان ہند کے لئے خصوصاً اور دیگر ممالک کیلئے عموماً ایک نعمت عظمیٰ بنایا ہے جو اس زمانہ میں جبکہ ہر چہار طرف سے گمراہی کی گھٹائیں اُمنڈ رہی ہیں تحریراً و تقریراً احقاق حق و ابطال باطل کو ممتاز کرنے کی خدمت میں یکتائے زمانہ ہیں اُن کے فیض سے بیشمار مخلوق خدا علماً و عملاً فیض یاب ہو رہی ہے اور اُن کی خدمت میں حاضر ہونا کیمیائے سعادت ہے خصوصاً آپکے مواعظ سے جو فائدہ عوام و خواص کو ہو رہا ہے وہ کسی صاحب نظر پر پوشیدہ نہیں ہے مواعظ متفرقہ کا باوجود بار بار طبع ہونے کے پھر کمیاب ہونا قبولیت عامہ کی بین دلیل ہے ان نایاب مواعظ کی تلاش میں عامۃ المسلمین کی پریشانی اور سرگردانی کیوجہ سے احقر کو خیال ہوا کہ اگر ان ختم شدہ اور کمیاب مواعظ کو ماہ بماہ ایک "رسالہ" کی صورت میں شائع کر دیا جائے تو شائقین مواعظ کیواسطے از حد مفید ہوگا۔

باین خیال احقر نے ایک رسالہ موسومہ **الابقاء** بنام خدائے عزوجل رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۸ھ سے جاری کر دیا ہے جسکی ضخامت معہ ٹائیٹل ۳۲ صفحات ہیں اور انشاء اللہ یہی ہوا کرے گی اور ہر ماہ قمری کی پندرہ تاریخ کو شائع ہو جایا کریگا جسکی سالانہ قیمت عہ؍ ہے حضرت مولانا موصوف مدظلہم العالی کے مواعظ کے قدردان خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ یہ صورت حضرات شائقین کے واسطے کس قدر امید افزا ہے اُمید ہے کہ ان جواہر گم گشتہ کے متلاشی جلد از جلد رسالہ مذکورہ کے خریداران میں اپنا نام لکھوا کر حضرت والا کے علوم سے مستفید ہونیکی کوشش فرمائیں گے۔ نیز اپنے احباب کو بھی ترغیب دیکر الدال علی الخیر کفاعلہ کے مصداق بنیں گے۔

قیمت سالانہ معہ محصولڈاک عہ؍ ہے اور وی۔ پی۔ کی صورت میں ۲ر فیس رجسٹری اور ۲ر فیس منی آرڈر کا اضافہ ہو کر عہ؍ ادا کرنے پڑتے ہیں۔

المشتہر **محمد عثمان کتب خانہ اشرفیہ دریبہ کلاں دہلی**

اشتیاق ہی اس کا محرک ہوا۔ ضخامت (۱۹۲) صفحات قیمت عہ؍ ملنے کا پتہ۔ محمد عثمان تاجر کتب دریبہ کلاں دہلی